وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین

مولای صل وسلم دائماً ابداً — علی حبیبک خیر الخلق کلّهم

هو الحبیب الذی ترجی شفاعتہ — لکل ہول مّن الاہوالِ مقتحم

دار العلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم حقانیہ

مدیر مسئول: مولانا سمیع الحق

ربیع الاول ۱۴۱۹ھ جولائی ۱۹۹۸ء

صلّی اللہ علیہ وسلّم

شاہِ مدینہ سرورِعالم صلّی اللہ علیہٖ وسلّم
ہادیٔ کونین رہبرِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم
خواجۂ گیتی ساقیٔ کوثر معدنِ حکمت شافِع محشر
حُسنِ سراپا اطہرِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم
حاملِ تاجِ ختمِ رسالت رونقِ بزمِ عالمِ امکاں
جلوۂ فطرت افسرِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم
صاحبِ قرآں مُرسلِ خاتم افضلِ انساں نازشِ آدم
مہرِ درخشاں نیّرِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم
جسمِ منوّر خُلقِ مکمّل رشکِ بلاغت نطقِ مُدلّل
فخرِ رسولاں دلبرِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم
صبحِ بہاراں لطفِ مُجسّد مہرِ مجسم نورِ مجد
نکتۂ ایماں محورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم
جانِ دوعالم آیۂ رحمت گوہرِ یکتا بحرِ نبوّت
زینتِ کعبہ برترِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم
فانیٔ عاجز مادحِ آقا باعثِ تسکیں وجہِ شفاعت
نعتِ حبیبِ داورِعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم

جناب حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر ___ 33
شمارہ ___ 10
ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
جولائی ___ ۱۹۹۸ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر	نگران	مدیر اعلیٰ
حافظ راشد الحق سمیع حقانی	حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ	حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

ناظم شفیق فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز ___ سیرت النبیؐ اور موجودہ حالات کے تقاضے ___ (راشد الحق سمیع حقانی) ___ ۲

انبیاءؑ کا مشن اور علماء کی ذمہ داریاں اور
عصر جدید میں رسالت محمدیؐ کا نیاز اعجاز ___ (مولانا شہاب الدین ندوی) ___ ۴

رسول اکرمؐ سراپا اور شخصیت حسنہ ___ (جناب شاہ بلیغ الدین) ___ ۱۷

رسول اکرمؐ اور فن شعر ___ (جناب سید اختیار جعفری) ___ ۲۲

مسلم اسپین کا انسانی تہذیب میں کردار ___ (جناب عبدالماجد) ___ ۳۵

اللہ تعالیٰ کا انسانی نظام تعلیم و تربیت ___ (جناب پروفیسر قاضی حلیم فضلی) ___ ۴۲

امام فخرالدین رازیؒ اور انکی تصانیف ___ (مولانا محمد خلیل اللہ حقانی) ___ ۴۵

اسلام اور انسانی حقوق ___ (مولانا سید العارفین) ___ ۴۸

صحیح اسلامی انقلاب کیسے اور کون برپا کرے گا؟ ___ (مولانا ذاکر حسن نعمانی) ___ ۵۲

افکار و تاثرات ___ (قارئین بنام مدیر) ___ ۶۲

تبصرہ کتب ___ (حافظ عرفان الحق حقانی) ___ ۶۳

کمپیوٹر کمپوزیٹر :- سجاد خان

ہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان ۔ فون :- 630435 ,630340 - (0923

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ =/150 روپے ، بیرون ملک 20 $ امریکی ڈالر
پبلشر:- مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز

حافظ راشدالحق سمیع حقانی

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنہ

سیرت نبیؐ اور موجودہ حالات کے تقاضے

ربیع الاول کا یہ مقدس مہینہ حضرت رسالت مآب ختمی مرتبت سرور کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے حوالہ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مبارک مہینہ میں آپؐ کی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں پر مضامین ومقالات، تقریریں اور تقریبات منعقد ہوتی ہیں۔ اور اس میں آپؐ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور سیرت طیبہ کے متفرق زاویوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی درخشاں زندگی کے جس پہلو پر بھی نگاہ ڈالیں تو آپؐ کی سیرت کا ہر زاویہ تابناک اور جاوداں نظر آئیگا۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق ومستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآن وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

خصوصاً آپکی تعلیمات یعنی احادیث نبویہؐ جس میں جتنا غور وخوض کیا جائے تو اس میں ہر زمانہ ہر دور اور ہر قسم کے حالات کے مطابق واضح احکامات موجود پائیں گے۔ کیونکہ آپؐ کا ہر ہر عمل اور قول وحی الٰہی کے مطابق ہے۔ "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" آپؐ اللہ کے آخری رسولؐ اور پیغمبرؐ ہیں۔ آپؐ کا پیغام ابدی اور قیامت تک انسانیت کی فلاح وبہبود کیلئے نوید جانفزا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: "وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا"

موجودہ حالات کے تناظر میں آج جب ہم تاریخ اسلام پر نظر ڈالتے ہیں اور اپنے اسلاف کے کارہائے نمایاں کو دیکھتے ہیں تو یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ ان کی کامیابیوں وکامرانیوں اور عظمتوں کا راز اللہ کی اطاعت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اسوہ حسنہ اور سیرت مطہرہ پر عمل پیرا ہونے میں تھا۔ ایسے ہی لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے فتوحات وانعامات کے دروازے کھول دیئے تھے۔

امت مرحوم کا جبتک تھا قرآں پر عمل ان کی عظمت ساری دنیا میں رہی ضرب المثل
چھوڑ کر قرآن کو مسلم حق سے بیگانہ ہوا دین کو رسوا کیا اور آپ بھی رسوا ہوا

" ومن یطع اللّٰہ والرسول فاؤلیک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین و حسن اؤلیک رفیقاً " (الآیہ)

ترجمہ :- اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کا کہا مان لے گا تو وہ لوگ ایسے افراد کے ساتھ ہونگے جن پر خدا نے انعام فرمایا یعنی انبیاءؑ ، صدیقین ، شہداء اور صالحین اور یہ لوگ بہت اچھے رفیق ہیں ۔

لیکن آجکل عالم اسلام نے قرآن کی دعوت حضور پاکؐ کی سیرت طیبہ اور اسوہ حسنہ کو چھوڑ دیا ہے ۔ اسی وجہ سے آج تمام عالم اسلام میں طواف الملوکی کا دور دورہ ہے ۔ نفاق ، تفرقہ بازی اور فروعی اختلافات میں امت مسلمہ کے اخوان باہم مشت وگریباں ہیں ۔ آج عالمی استعمار اور امریکہ ہمیں اپنے مفادات کیلئے تقسیم در تقسیم کے فارمولے پر کامیابی سے عمل پیرا ہے ۔ اور ہم نے قرآن کا دستور حیات اور حضور اکرمؐ کی تعلیمات کو زینت طاق نسیاں کردیا ہے ۔ چاہئیے تو یہ تھا کہ ہم خود بھی آپؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ۔ اور تمام دنیا کو بھی آپ کا آفاقی پیغام پہنچاتے ۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کی جتنی خدمات ہوسکتی تھیں وہ آپؐ کے جانثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اور اگلے وقتوں کے لوگوں کے حصے میں آئیں اور ہم صرف اور صرف سیرت کانفرنسٔ اور "میلاد شریف" کیلئے رہ گئے ۔ یہ کانفرنسیں اور جلسے تو بہت زمانے سے منعقد ہوتی آئیں ہیں لیکن ان کا آج تک خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم صرف نعرہ بازی اور دودھ کے دیوانے نہ بنیں بلکہ حکم خداوندی " واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولاتفرقوا " کا مظاہرہ کرتے ہوئے یک جان ودوقالب بن کر امت کا بکھرا ہوا شیرازہ ازسرنو ایک وحدت کے سلک میں پرو دیں فروعی اختلافات کو بھلاکر ملک وملت عالم اسلام کی خدمت کیلئے متفقہ طور پر کمر بستہ ہوجائیں ۔ اور عالم کفر امریکہ، اسرائیل اور بھارت کے سامنے امت مسلمہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ان کا مقابلہ کرے ۔ اور آنے والے وقت خصوصاً اکیسویں صدی کو اسلام کی تبلیغ ، قرآن کی دعوت اور حضور پاکؐ کی اسوہ حسنہ کی اشاعت کا ذریعہ بنادیں ۔ اور ہم عالم کفر کے سامنے اسلام اور حضورؐ کی تعلیمات کو ایک عالمگیر صورت میں پیش کریں ۔ کوشش کی جائے کہ کہیں بھی اس دعوت حقہ پر فروعی اختلافات کا سایہ تک بھی نہ پڑے ۔ تب ہی ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں ۔ اور اس کے نتیجے میں فلسطین ، مقبوضہ قبلہ اول ، کشمیر ، بوسنیا اور دیگر عالم اسلام کے علاقے کفار کے تسلط سے آزاد ہوجائینگے ۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ مقدس مہینہ عالم اسلام کی شیرازہ بندی کیلئے نوید ثابت ہو تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پہ حقیقی عمل کا " عملی " مظاہرہ سامنے آجائے ۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے   نیل کے ساحل سے لیکر تابہ خاک کاشغر

قسط نمبر ۲

جناب مولانا محمد شہاب الدین ندوی صاحب

انبیاءؑ کا مشن اور علماء کی ذمہ داریاں اور عصرِ جدید میں رسالتِ محمدیؐ کا نیا اعجاز

۲۔ جدید فلسفے اور معرکہ توحید :- شریعت کے چار شعبے ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق۔ عقائد کا تعلق ذہن وفکر سے ہے بقیہ تینوں شعبے اعمال وجوارح سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے دین کے اصل شعبے صرف دو ہیں۔ عقائد وافکار اور اعمال زندگی۔ اور اسے مختصر طور پر "فکرو عمل" کہا جاسکتا ہے اور فلسفیانہ نقطہ نظر سے "عمل" سے پہلے "فکر" کی اصلاح ضروری ہے کیونکہ جب تک انسان کے افکار وخیالات کی صفائی اور اس کے شکوک وشبہات کا ازالہ نہیں ہوجاتا وہ عمل کے لئے آمادہ نہیں ہوسکتا۔ اور یہ ایک بدیہی ونفسیاتی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لئے قرآن عظیم نے حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے فکری اصلاح کو عملی اصلاح پر مقدم رکھا ہے اور علمی وعقلی سارے دلائل انسان کے افکار وعقائد کی اصلاح کیلئے پیش کئے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں افہام وتفہیم کے جتنے بھی طریقے ممکن ہوسکتے تھے ان سب کو کام میں لایا گیا ہے اور جدید سے جدید تر علمی وسائنٹفک حقائق سے استدلال کیا گیا ہے۔ عقائد میں اگرچہ متعدد چیزیں آتی ہیں مگر دین کے مہمات عقائد تین ہیں۔ توحید، رسالت اور معاد (قیامت) اور ان میں بھی توحید اور معاد کے عقیدے اہم ہیں، جن کے اثبات سے رسالت کا اثبات بھی خود بخود ہوجاتا ہے اور ضمناً قرآن کا کلام الٰہی ہونا بھی ثابت ہوجاتا ہے۔ لہذا قرآن عظیم ان دو عقائد کے اثبات پر اپنا سارا زور صرف کردیتا ہے۔ چنانچہ دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ سینکڑوں مقامات پر اور تقریباً ہر سورہ میں انہی دو امور کا اثبات نظر آتا ہے کیونکہ خدا پرستی کا دارومدار انہی دو عقائد پر منحصر ہے اور اللہ رب العزت نے ان دو عقائد کے ثبوت میں علاوہ عقلی ومنطقی دلائل کے پوری کائنات کو پیش کیا ہے۔ چنانچہ اس صحیفہ فطرت کی ہر چیز اور اس کا ہر مظہر ان دونوں دعووں کی بخوبی تصدیق وتائید کررہا ہے اور اس کائنات میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جو اس حقیقت عظمیٰ کو جھٹلانے یا اسے چیلنج کرنے والی ہو۔ اس لئے انسان کو پوری کائنات چھان مارنے کی تاکید کی گئی

ہے تاکہ وہ اس حقیقت کا عینی طور پر مشاہدہ کرلے ۔ ظاہر ہے کہ یہ دعوت فکر اس قدر بلند بانگ دعوے اور پورے عزم وجزم کے ساتھ وہی دے سکتا ہے جو اس کائنات کے اندرون اور اس کے سارے بھیدوں سے بخوبی واقف ہو اور جسے اپنے دعوے کے غلط ہوجانے کا کسی بھی طرح دھڑکا نہ ہو۔ چنانچہ اسی اعتبار سے آج تحقیقات جدیدہ کے باعث یہ سارے ابدی و سرمدی حقائق واضح سے واضح تر ہوتے چلے جارہے ہیں اور قرآن عظیم کے ایک ایک دعوے کا آج ہمیں سائنٹفک طور پر ثبوت مل رہا ہے ۔ قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کا اس سے بڑا علمی ثبوت اور کیا چاہئیے ؟

غرض عقائد کا دارومدار توحید اور یوم آخرت کے اثبات پر ہے اور ان دونوں میں بھی توحید کا عقیدہ ہی اصلی وبنیادی ہے جس پر دین الٰہی کی عمارت تعمیر ہوئی ہے اور عقائد کی کتابوں میں بھی اس کو مرکزی اہمیت دی گئی ہے ۔ چنانچہ از آدم تا ایں دم دنیا کے تمام فرقوں اور قوموں کے درمیان اسی ایک عقیدے کے اثبات یا نفی پر معرکہ آرائیاں برپا ہوتی رہی ہیں ۔ گمراہ فرقوں کو اس عقیدے کے سمجھنے میں سخت ٹھوکر لگی ہے ۔ چنانچہ تمام انبیائے کرام علیھم السلام کے دعوت کا مرکز ومحور یہی عقیدہ (لاالہ الااللہ) تھا ، جس کو ثابت کرنے کی راہ میں انہوں نے اپنی زندگیاں وقف کردیں اور اس راہ میں سخت مصائب کا سامنا کیا ۔ مشرکین اور دہریوں نے خدائے واحد کا ہر دور میں انکار کیا ہے مگر جس قوم کی دہریت کے اثرات تقریباً ڈھائی ہزار سال سے سارے عالم پر پڑے ہیں وہ یونانی قوم ہے ۔ یوں تو یونانی افکار اور ان کے مشرکانہ وملحدانہ نظریات نے ہر دور میں اقوام عالم کو متاثر کیا ہے مگر ان کے یہ افکار ونظریات موجودہ یورپ پر بہت گہرائی کے ساتھ پڑے ہیں اور یونانی مادیت کی چھاپ مغربی اقوام پر صاف نظر آتی ہے اور مغرب کے اثرات سے آج سارا عالم متاثر ہوچکا ہے ، جو مغربی علوم سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے اور خود عالم اسلام بھی اس کے اثرات سے بچ نہیں سکا ہے ۔ چنانچہ جدید سائنس کی پوری زمین یونانی علوم ہیں ۔ جو اس کیلئے جڑوں کی مانند ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب سائنس اور اس کے مختلف علوم کی تاریخ بیان کی جاتی ہے تو سب سے پہلے یونانی نظریات سے بحث کی جاتی ہے ۔ پھر اس کے بعد عہد بہ عہد سائنس کی ترقیاں دکھائی جاتی ہیں ۔ لہذا سائنس داں اور سائنس زدہ لوگ یونانیوں کو اپنا " سلف " مانتے ہیں اور ان کے نظریات وعقائد کا اتباع کرنا اپنے لئے ایک فیشن یا فخر کی بات تصور کرتے ہیں ۔ گویا کہ ان کی دقت نظری اور نکتہ سنجیوں کی دھاک اب تک قائم ہے ۔ حالانکہ سائنسی علوم کے زمین وآسمان بدل گئے ہیں اور جدید سائنس کا یونانی سائنس سے کوئی تعلق ہی دکھائی نہیں دے رہا ہے ۔ غرض فکری اعتبار سے آج اہل یورپ خود کو یونانیوں کا شاگرد و وارث سمجھتے ہیں ۔ گویا کہ " علم " کا منبع وماخذ یونان ہے ۔

نیز اسی طرح موجودہ دور میں مادیت ، الحاد ، تشکیک اور لاادریت وغیرہ جو بھی فلسفے پائے جارہے ہیں ان سب کا ماخذ وسرچشمہ بھی یونانی نظریات ہی ہیں ، جو اب پھل پھول کر تناور بن چکے ہیں اور عصر جدید میں انہوں نے علم کی " نقاب" اوڑھ لی ہے اور آج اہل اسلام کو انہی تمام ملحدانہ ومادہ پرستانہ افکار اور فلسفوں سے سابقہ ہے اور اس اعتبار سے جدید علوم وفلسفے یونانی افکار ہی کی " ترقی یافتہ" شکل ہیں ۔ لہٰذا اسلامی ادوار میں جس طرح اسلام اور یونان کی " معرکہ" درپیش تھا اسی طرح یہ معرکہ آج بھی درپیش ہے ۔ بالفاظ دیگر پچھلے ادوار میں اسلام کو قدیم فلسفے کا سامنا تھا تو اب اس کا مقابلہ جدید فلسفے سے ہے ، جو قدیم فلسفے ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے اور یہ فلسفہ یونانی فلسفے ہی کی کوکھ سے نکلا ہے اور اس اعتبار سے یہ اسلام کےلئے ایک نیا چیلنج ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "یونانیت" آج بھی زندہ ہے ۔ اس موقع پر یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ پچھلی دوصدیوں میں سائنس نے مادیت کا نقاب اوڑھ کر دین ومذہب کیلئے ایک زبردست چیلنج پیدا کردیا تھا ۔ لیکن بیسویں صدی کی طبیعیات اور اس کے انکشافات نے اس کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے اور مادیت کا سارا دم خم ختم ہوکر رہ گیا ہے لیکن مادی فلسفوں کی اکڑفوں ابھی تک باقی ہے اور وہ نئے نئے انداز میں ہمارے سامنے آرہے ہیں ۔ لہٰذا ان فلسفوں کو علمی میدان میں شکست دینا اور ان کے سحرسامری کو توڑنا موجودہ دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے ۔ اور اس اعتبار سے معرکہ توحید آج بھی درپیش ہے ۔

غرض الحادودہریت کا یہ شجر آج تناور ہوچکا ہے اور اس کی جڑیں سارے عالم میں پھیل چکی ہیں اور کوئی بھی ملک اور کوئی بھی شہراس کی گرفت سے بچ نہیں سکا ہے ۔ بلکہ یہ دجالی فتنہ قریہ قریہ اور دیہات دیہات پہنچ چکا ہے ۔ جدید مادی فلسفوں کا بنیادی مزاج اور ضمیر چونکہ الحادودہریت ہے اس لئے وہ ہر دینی عقیدے اور ہر اخلاقی قدر کو شکست وشبہ اور اجنبیت کی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کا انکار کرتے ہیں اور صرف اسی چیز کو تسلیم کرنے پر زور دیتے ہیں جو سائنسی طریقے پر مشاہدات وتجربات کی رو سے ثابت شدہ ہو ۔ بالفاظ دیگر جدید مادیت کی نظر میں " علم" صرف وہی ہے جو محسوسات ومعقولات کے ذریعہ حاصل شدہ ہو اور وہ کسی دوسرے ماخذ علم یا کسی بھی مابعد الطبیعی حقیقت کو ماننے کےلئے تیار نہیں ہے اور یہ موجودہ دور کا عالمگیر مزاج بن گیا ہے جو خالص "عقلیت" پر زور دیتے ہوئے " مادہ" سے ماوراء کسی بھی چیز کو تسلیم کرنے کے موڈ میں دکھائی نہیں دیتا ۔ لہٰذا عصر جدید کے اس مزاج اور رجحان کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم قرآن عظیم پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ اس کتاب حکمت میں جو " آیات بینات" کا ایک پورا سلسلہ

موجود ہے وہ موجودہ دور ہی کیلئے ہے اور اسکا یہ " آیاتی نظام" ایک مکمل فلسفے کی شکل میں مذکور ہے بینات مختلف مقامات میں بکھرے ہوئے ہیں ان سبکو ایک لڑی میں پرونے سے ایک نیا فلسفہ وجود میں آتا ہے جو " اسلامی فلسفہ" کہلا سکتا ہے اور عصر جدید کے مادی فلسفوں کے توڑ کیلئے اس قسم کے اسلامی فلسفے کا وجود نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ ایک فلسفے کا مقابلہ ایک فلسفہ ہی کر سکتا ہے اور لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے اور جبتک اس قسم کا جوابی فلسفہ تشکیل نہ پایا جائے دین واخلاق اور عمل وکردار کی دنیا میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ کیونکہ نفسیاتی اعتبار سے انسانی کردار کو بدلنے کیلئے پہلے اسکے ذہنی تطہیر وتعمیر ضروری ہوتی ہے۔ غرض علمی وسائنٹفک نظر سے عقیدہ توحید کا اثبات موجودہ مادہ پرستانہ چیلنج کا صحیح جواب ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی عقائد میں توحید کے علم کو " اشرف العلوم" قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ملاعلی قاریؒ تحریر کرتے ہیں:

" اعلم ان علم التوحید الذی ھواساس بناء التائید اشرف العلوم تبعاً للمعلوم "(۱)۔

اور علامہ ابن یتمیہؒ نے تحریر کیا ہے کہ اصول دین (جیسے توحید، صفات الہیٰ، قضاء وقدر، نبوت اور معاد) کے مسائل اور ان کے دلائل کا بیان قرآن اور حدیث میں کافی وشافی طور پر موجود ہے، جن کی معرفت حاصل کرنے اور ان پر اعتقاد قائم کرنے کی لوگوں کو ضرورت پڑتی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام مسائل کو وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے اور ان میں عذر کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ رسولؐ کی تبلیغ کا ایک عظیم ترین حصہ ہے جس کے باعث اللہ کی محبت اس کے بندوں پر قائم ہوتی ہے۔ (۲) اور علامہ طاش کبری زادہ تحریر کرتے ہیں کہ علم اصول دین سے مراد وہ علم ہے جس میں عقلی دلائل کے ذریعہ دینی عقائد کے اثبات کا ملکہ حاصل کیاجاتا ہے اور شبہات کو دور کیا جاتا ہے اور اس کا موضوع متقدمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہیں۔ " وھوعلم یقتدر معه علی اثبات العقائد الدینیة بایرادالحجج علیھا ورفع الشبھة عنھا وموضوعه ذات اللہ سبحانه تعالی وصفاته عندالمتقدمین "۔ (۳)

اس اعتبار سے قرآن عظیم کے نظام دلائل کو مرتب کرکے اصول دین اور خاص کر عقیدہ توحید اور عقیدہ آخرت کا سائنٹفک طریقے سے اثبات کرنا اور دلیل واستدلال کے میدان میں جدید اور بے خدا فلسفوں کو پچھاڑنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ یہ بات اس کی جبلت میں سمودی گئی ہے۔ اب چاہے وہ توحید کا عقیدہ اختیار کرے یا شرک ومظاہر پرستی یا دہریت کا۔ دہریت بھی اصلاً ایک عقیدہ

ہی ہے، اگرچہ دہریین اپنی "بے عقیدگی" کا کتنا ہی پرچار کیوں نہ کریں، مگر وہ حقیقت کے اعتبار سے مادیت کے پجاری نظر آتے ہیں اور ان کا سب سے بڑا خدا "مادہ" ہے جس کی کوکھ سے انتخاب طبعی، تنازع للبقاء بنائے اصلح اور جنیسی انحرافات وغیرہ چھوٹے چھوٹے "خدا" نکلتے ہیں اور اس اعتبار سے یہ بھی شرک ہی کا ایک نیا روپ ہے جو بھیس بدل بدل کر ہمارے سامنے آرہا ہے۔

غرض نفسیاتی اعتبار سے انسان کو "عقیدہ" سے مفر نہیں ہے اور یہ بھی وجود باری کی ایک نفسیاتی دلیل ہے۔ "وفی انفسکم افلا تبصرون" اور خود تمھارے انفس میں بھی خدا کے وجود کی نشانیاں موجود ہیں، کیا تم کو نظر نہیں آتا؟ (ذاریات: ۲۱) لہذا جو شخص عقیدہ توحید سے اعراض کرے گا وہ کوئی نہ کوئی عقیدہ اختیار کرنے پر خود کو مجبور پائے گا۔ باالفاظ دیگر جو اپنے خالق اور معبود اصلی کو نہ چاہے گا وہ کسی اور کو اپنا معبود بنانے پر مجبور ہوگا۔ تو کیا خدائے واحد کی پرستش بہتر ہے یا بہت سے معبودوں کی؟ "ء ارباب متفرقون خیرام اللّٰہ الواحدالقھار" کیا متفرق معبود بہتر ہیں یا خدائے قہار جو اکیلا ہے؟ (یوسف: ۳۹)

۳۔ **صفات الہیٰ اور توحید شہودی کی ضیاء باریاں**:- حاصل یہ کہ عقلی و عملی دلائل کے ذریعہ اللّٰہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات وصفات کے اثبات کا مسئلہ معرکہ الآراء اہمیت کا حامل ہے، اور یہ مسئلہ دور قدیم میں جتنا اہم تھا آج اس سے زیادہ اہم نظر آتا ہے۔ کیونکہ کفار و مشرکین ہوں یا فلاسفہ اور الحاد پرور لوگ، ہر ایک کو ہمیشہ اللّٰہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت سمجھنے میں ہی سخت ٹھوکر لگی ہے۔ لہذا کلامی اعتبار سے ذات وصفات کی حقیقت عقلی وعلمی دلائل کے ذریعہ ثابت کرنا ہر دور کی ایک تمدنی ضرورت ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ کی بے شمار صفات یا اچھے اچھے نام (اسمائے حسنیٰ) ہیں جو اس کی ربوبیت (کارسازی عالم) کے مختلف پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: "اللّٰہ لا الہ الاھو، لہ الاسماء الحسنیٰ" وہ اللّٰہ ایسا ہے کہ اس کے سوا دوسرا کوئی معبود نہیں، اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ (طٰہٰ: ۸)۔ احادیث میں اللّٰہ تعالیٰ کے ان صفاتی ناموں کی تعداد ۹۹ بتائی گئی ہے، جن کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے۔ (۴) اور علمائے حدیث نے قرآن حکیم میں ان کے ماخذ کی نشاندہی کی ہے۔ (۵) اور علمائے عقائد کی تصریح کے مطابق ان صفات کے دو بڑی قسمیں ہیں: صفات ذاتی اور صفات فعلی، صفات ذاتی سے مراد وہ ازلی صفات ہیں جو باری تعالیٰ سے کبھی جدا نہیں ہو سکتیں اور وہ یہ ہیں: "حیات، قدرت، علم، کلام، تکوین، سمع، بصر اور ارادہ"۔ اسکے برعکس صفات فعلی وہ ہیں جو افعال الہیٰ یا حدوث عالم سے

تعلق رکھتی ہوں، جیسے پیدا کرنا، جلانا، مارنا، رزق دینا اور مخلوق کی نگرانی کرنا وغیرہ وغیرہ (۶) اور احادیث میں جو ۹۹ نام آئے ہیں وہ زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی صفات فعلی سے متعلق ہیں جنکو بعض علماء نے تین زمروں میں تقسیم کیا ہے۔ صفات جمالی، صفات جلالی اور صفات کمالی یعنی وہ صفات جو مختلف حیثیتوں سے باری تعالیٰ کے جمال وجلال اور اس کے کمال پر دلالت کرنے والی ہوں۔ (۷)

چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات فعلی اس کی صفات ذاتی کا عکس ہیں، اس لئے وہ اس کی ربوبیت وخلاقیت کے اظہار کے طور پر عالم تکوین (عالم فطرت) میں جلوہ افروز نظر آتی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ پوری کائنات صفات الٰہی کی آماجگاہ ہے۔ چنانچہ امام غزالیؒ کی تصریح نقطہ نظر کے مطابق یہ پوری کائنات "افعال الٰہی" کا مجموعہ ہے (۸)۔ اس نقطہ نظر سے آپ اس مادی کائنات میں جدھر بھی نظر ڈالئے آپ کو "خدائی کمالات" کے سوا اور کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ عالم تکوین کا مطالعہ افعال الٰہیٰ اور اس کی صفات عالیہ وصفات کمالیہ کا مطالعہ ہے جو دراصل ربوبیت (کارسازی عالم) کی تفصیلات ہیں اور عالم تکوین یا صحیفہ فطرت کے تفصیلی و تحقیقی مطالعہ سے توحید شہودی کا جلوہ عینی وبصری طور پر ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں معرفت الٰہیٰ حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ عالم تکوین یا عالم ربوبیت کا مطالعہ جتنی گہرائی کے ساتھ کیا جائے معرفت الٰہیٰ کے دروازے اسی قدر کھلتے چلے جاتے ہیں اور یہ اسلامی نقطہ نظر سے عالم تکوین کے مطالعہ کی اصل غرض وغایت ہے اور اس سلسلے کے دیگر تمام مقاصد ضمنی وثانوی ہیں۔ اسی غرض وغایت کے حصول کیلئے اسلام نے مطالعہ کائنات کی ترغیب دیتے ہوئے متعدد طریقوں سے اس پر ابھارا ہے، تاکہ باری تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جو غلط قسم کے فلسفے اور نظریات پائے جاتے ہیں ان سب کا رد معقول طریقے سے ہوجائے اور انسان اپنے خالق ومعبود کے جمال وجلال کا نظارہ خود اپنی آنکھوں سے کرلے، جس کے بعد ظلمت وتاریکی کے تمام بادل چھٹ جاتے ہیں اور وہ نور الٰہیٰ کا مشاہدہ عین الیقین اور حق الیقین کے طور پر خود کرسکتا ہے۔ غرض یہ پوری کائنات مادی خلاق عالم کی ذات وصفات کا آماجگاہ ہے اور اس کی صفات عالیہ کی تجلیوں سے بقعہ نور بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ "اس کی صفات فعلی سے اس کی صفات ذاتی تک رسائی ہوتی ہے اور پھر اس کی صفات ذاتی سے اس کی ذات اقدس تک رہنمائی ہوتی ہے" (۹)۔ اس طرح اس کائنات میں ایک حیرت انگیز افعال وصفات والی ہستی ضرور موجود ہے جو مادی مظاہرے کے پس پردہ رہ کر اپنے جلوے دکھارہی ہے اور اس اعتبار سے یہ کائنات اپنے گوناگوں مظاہر اور رنگارنگ موجودات کے باوجود ایک مکمل وحدت کا نمونہ پیش کررہی ہے۔ جو باری تعالیٰ کی توحید اور اس کی یکتائی کی چشم دید دلیل وبرہان ہے۔ چنانچہ جو بھی شخص کھلے ذہن ودماغ کے ساتھ ان

مادی مظاہر اور ان کے نظاموں کا تفصیلی و تحقیقی مطالعہ کرے گا وہ اس منطقی نتیجے تک ضرور پہنچے گا۔

۴۔ آیات الہیٰ کی جلوہ افروزیاں:-

باری تعالیٰ کا ثبوت دو طریقوں سے ہوتا ہے: ایک دلیل واستدلال کے ذریعے اور دوسرے رویت ومشاہدہ کے ذریعہ۔ پہلا طریقہ منکرین کےلئے اور دوسرا طریقہ مؤمنین کےلئے ہے۔ مگر ان دونوں کےلئے مظاہر کائنات کا تفصیلی و تحقیقی علم ضروری ہے اور اس اعتبار سے یہ صحیفۂ فطرت ایک کھلی کتاب ہے جس میں ہر طرف ربوبیت کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں اور ہر جگہ وجود باری کی "نشانیاں" یعنی آیات ربوبیت پھیلادی گئی ہیں تاکہ وہ غافل انسانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرسکیں اور شک پسندوں کو دعوت فکر دے سکیں، تاکہ ان کے غلط افکار ونظریات کا تزکیہ ہو اور ان کے عمل وکردار کی تطہیر ہوسکے۔ یہی وہ اعلیٰ مقاصد ہیں جن کے حصول کےلئے قرآن عظیم میں سینکڑوں آیتیں نظام کائنات سے متعلق مختلف حیثیتوں سے پیش کی گئی ہیں اور نوع انسانی کو پرزور انداز میں یہ دعوت دی گئی ہے کہ وہ مظاہر کائنات کا جائزہ لےکر دیکھے کہ ان کے اندر جو طبعی اور حیاتیاتی نظامات کارفرما ہیں وہ کس طرح ذات باری تعالیٰ کے وجود ویکتائی، ربوبیت وخلاقیت، عجیب وغریب صنعت وکاریگری، زبردست قوت وعظمت، رحمانیت ومخلوق پروری بےمثال حساب دانی، جمال وجلال کی آمیزش، رزق رسانی کی انوکھیت، بےمثال نقاشی ومصوری انوکھی حکمت ومنصوبہ بندی اور حیرت انگیز انجینئری کی شہادت پیش کررہے ہیں اور جن کی صحیح توجیہہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ غرض یہ پوری کائنات اپنے انتہائی نظم وضبط اور تنظیم ومنصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ جمال آرائیوں اور جلال افروزیوں کی آمیزش کا ایک انوکھا اور تحیر خیز نمونہ پیش کررہی ہیں جس میں کہیں بھی بخت واتفاق کا گزر دکھائی نہیں دے رہا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی خامی یا بےڈھنگاپن نظر آرہا ہے، جو بخت واتفاق کی مکمل نفی پر دلالت کررہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کائنات اپنے تخلیقی عجائب وغرائب اور انوکھے کرشموں کے باعث ایک زبردست اور بےمثال ہستی کے وجود کا اتہ پتہ بتارہی ہے کہ یہ نقش ونگار اور یہ صناعیاں اور مظاہر فطرت کا یہ حسن وجمال اور ان کا البیلاپن غرض یہ سارے فوق الفطرت کرشمے عقل انسانی کو ورطہ حیرت میں مبتلا کررہے ہیں کہ یہ سب بغیر کسی خلاق ہستی کے خود بخود وجود میں نہیں آسکتے اور بغیر کسی ناظم ونگران کے آپ سے آپ رواں دواں نہیں رہ سکتے۔ لہذا منطقی اعتبار سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زبردست اور انوکھی کائنات کا کوئی رب اور الہ ضرور ہے جو

نہایت درجہ عظیم اور انوکھی و بے مثال قدرت والا ہے ۔ یہی خدائے جبار وقہار ہے ، جس کے وجود کی گواہی اس کائنات کا ذرہ ، ذرہ ، ڈالی ڈالی اور بوٹا بوٹا دے رہا ہے اور ہر سو اس کے وجود اور اس کی قدرت وربوبیت کی " نشانیاں " یعنی دلائل ربوبیت بکھرے ہوئے ہیں ، جو انسان کو اپنی زبان حال سے پکارپکار کر کہہ رہے ہیں کہ اگر خلاق عالم کے وجود کا اتہ پتہ معلوم کرنا چاہتے ہو تو ہمارا جائزہ لے لو اور ہمارے نظاموں کے اندر جھانک کر دیکھ لو تو ہماری انوکھی خلقت وبناوٹ اور ہمارے تحیر خیز نظامات تمھیں سب کچھ بتادیں گے کہ ہمارا وجود دراصل ایک غیر مرئی مگر حقیقی " جادوگر " کا مرہون منت ہے ، جو ہمارے پس پردہ بیٹھ کر ہمیں حرکت دے رہا ہے ۔ اسی بناء پر طبیعی نقطہ نظر سے ہمارے نظاموں کی توجیہہ ناممکن نظر آتی ہے کیونکہ ہمارے نظامات کی تشکیل ایک فوق الطبعی ہستی کے دست قدرت میں ہے ۔ غرض مظاہر عالم کا یہ وہ سبق اور حاصل مطالعہ ہے جو ان کے نظاموں کے تفصیلی اور تحقیقی جائزہ کے بعد سامنے آتا ہے اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے : " وفی الارض ایت للموقنین ۔ وفی انفسکم افلا تبصرون " : یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں اور خود تمھارے انفس میں بھی ،کیا تم کو نظر نہیں آتا ؟ (ذاریات : ۲۰ ۔ ۲۱) " انا فی السموت والارض لایت للمومنین ۔ وفی خلقکم وما یبث من دابۃ ایت لقوم یوقنون " : زمین اور آسمانوں میں ایمان والوں کیلئے یقیناً بہت نشانیاں (دلائل ربوبیت) موجود ہیں ۔ اور اسی طرح تمھاری اور دیگر جانداروں کی خلقت وبناوٹ میں بھی یقین کرنے والوں کیلئے نشانیاں موجود ہیں (جاثیہ : ۳ ۔ ۴) ۔

ایک اعلیٰ درجے کا سائنسدان اگر صحیح نقطہ نظر سے نقوش فطرت کا جائزہ لے تو وہ سچا موحّد اور خدا پرست بن سکتا ہے کیونکہ یہ مظاہر حیرت واستعجاب کے باوجود معنویت ومعقولیت سے بھرپور ہیں اور قدم قدم پر حکمت و منصوبہ بندی کا مشاہدہ ہوتا ہے ۔ الغرض مظاہر عالم کے گہرے مطالعہ وجائزہ سے ان میں ودیعت شدہ دلائل ربوبیت کھل کر سامنے آجاتے ہیں جو ایک طرف غافل انسانوں کو متنبہ کرنے اور منکرین کے خلاف حجت قائم کرنے کا باعث ہیں تو دوسری طرف اس مطالعہ وجائزے کے نتیجے میں اہل ایمان کا ایمان تازہ ہوجاتا ہے اور وہ علمی و " اخباری " درجے سے نکل کر مشاہداتی اور وجدانی بن جاتا ہے اور بندہ عین الیقین اور حق الیقین کی منزل میں پہنچ جاتا ہے اور اس منزل میں پہنچ جانے کے بعد باطل کی کوئی بھی فسوس کاری اس کے پائے ثبات کو متزلزل نہیں کرسکتی اور یہ ایمان ویقین کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے جس کو حدیث شریف میں " احسان " کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے ۔ چنانچہ ایک حدیث کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی

شکل میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوالات کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ تھا۔ " احسان کیا چیز ہے ؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر ایسا کرنا تمھارے لئے ممکن نہ ہو تو اس کی بندگی اس طرح کرو کہ گویا کہ اللہ تم کو ضرور دیکھ رہا ہے "۔ (۱۰)۔ اس مقام ومرتبہ پر پہنچ جانے کے بعد انسان کے کردار و نیرہ کا سدھار ہوتا ہے اور حسن اخلاق کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں معاشرہ متوازن اور پاک وصاف رہتا ہے۔ قرآن عظیم کا " آیاتی نظام " ایک مکمل فلسفے کا حامل ہے جو دراصل طبیعات اور مابعد الطبعیات میں ربط وتعلق دکھاکر بگڑے ہوئے انسانوں کی ذہنی دھلائی کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ سارا عمل " جدلیات قرآن " کے تحت آتا ہے، جو قرآنی ہدایت ہی کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ دور قدیم میں اسلام کا سابقہ یہود ونصاریٰ اور کفار ومشرکین سے تھا تو اب اس کا مقابلہ ملحدین اور مادہ پرستوں سے ہے۔ چونکہ قرآن عظیم ہر دور کےلئے نامہ ہدایت ہے اس لئے اس میں ہر دور کی ذہنیت ونفسیات سے نپٹنے کے دلائل ودیعت کردئے گئے ہیں اور یہ بھی قرآن عظیم کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کلام حکمت میں سیکڑوں آیتیں مظاہر کائنات اور ان کے نظاموں سے متعلق موجود ہیں جو دلائل ربوبیت سے متعلق ہیں اور وہ منکرین ومعاندین پر مؤثر انداز میں خدائے علیم وخبیر کی حجت پوری کرتی ہیں۔ تاکہ جسے راہ یاب ہونا ہو وہ ان دلائل کے ملاحظہ سے مشرف بالایمان ہوکر اپنی عاقبت درست کرلے اور جسے مرنا ہو وہ دلیل دیکھ کر مرجائے، تاکہ خداوند قدوس پر پیام حق نہ پہنچانے کا الزام عائد نہ ہو۔

۵: علم انسانی قرآن کی نظر میں حجت :- اس لحاظ سے آج حاملین قرآن پر یہ فریضہ عائد ہوتا کہ وہ عصری ذہنیت کے مطابق قرآن عظیم کے نظام دلائل یا " فلسفہ ربوبیت " کا جائزہ لے کر منکرین حق پر اتمام حجت کریں۔ اور اس مقصد کےلئے جدید سے جدید تر تمام علوم اور خاص کر تجرباتی علوم کا جائزہ لیں۔ چنانچہ جدید تجرباتی علوم کی روشنی میں نظام کائنات سے متعلق دلائل ربوبیت کھل کر سامنے آگئے ہیں جو اس صحیفہ حکمت کے علمی اعجاز کو ظاہر کرتے ہیں اور اس اعتبار سے اس راہ میں کام کرنے والوں کیلئے ایک سنہرا موقع ہاتھ آگیا ہے۔ مگر آج اہل اسلام دو بنیادی غلط فہمیوں کی بنا پر ان علوم سے چھوت چھات برت رہے ہیں۔ اول یہ کہ وہ تجرباتی یا سائنسی علوم کو " علم غیر " تصور کرتے ہوئے ان کا رشتہ قرآن سے تسلیم کرنے کیلئے آسانی کے ساتھ تیار دکھائی نہیں دیتے۔ اور دوم یہ کہ اگر اس حقیقت کا اعتراف بمشکل تسلیم کرتے بھی ہیں تو معاً ان علوم کے " نامعتبر " ہونے کا شکوہ کرتے ہوئے انہیں یکسر رد کردیتے ہیں کیونکہ یہ علوم ان کی نظر میں

"تغیرپزیر" ہیں۔ جس کے باعث ان سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہوسکتا۔ اور یہ دونوں باتیں تقریباً تمام دینی حلقوں میں پوری طرح رچ بس گئی ہیں جس کی وجہ سے آج سائنسی علوم کو بنیاد بناکر کوئی اصلاحی کام کرنا اور قرآن عظیم کی قدروقیمت ظاہر کرنا ایک انتہائی مشکل کام بن گیا ہے اور اس سلسلے میں سب سے بڑی حیرت یہ ظاہر ہے کہ جدید تجرباتی علوم کے تعلق سے آج قرآن عظیم کا جو سب سے بڑا علمی اعجاز ظاہر ہورہا ہے اسے خود مسلمان تسلیم کرنے کیلئے تیار دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ چنانچہ آج جدید سے جدید تر علمی انکشافات کے باعث قرآنی حقائق ومعارف کے ظہور کا ایک سیلاب سا آگیا ہے اور "آفاقی وانفسی" نشانیاں (ذاریات: ۲۰۔ ۲۱) نئے نئے انداز میں جلوہ گر ہوکر نوع انسانی کو مبہوت وششدر کررہی ہیں، جن کی وجہ سے توحید، رسالت اور یوم آخرت کی حقانیت پر مسکت علمی براہین فراہم ہورہے ہیں اور اس مظاہرہ حق کے باعث آج طبیعیات اور مابعد الطبیعیات میں تطبیق کا راستہ آسان ہوگیا ہے۔ چنانچہ اس تطبیق کے باعث علم الٰہی کی ازلیت کا آفاقی نظارہ ہورہا ہے، وحی الٰہی کی صداقت پر نئی روشنی پڑرہی ہے اور خدائے علیم کی حکمت ومنصوبہ بندی سامنے آرہی ہے۔ غرض اس مظاہرہ الٰہی کے باعث پورے سلسلہ ایمانیات کی تجدید ہورہی ہے، جسکے نتیجے میں علم دین کا احیاء اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ برپا ہوسکتی ہے۔ مگر یہ سارے فوائد قرآن عظیم اور جدید سائنسی علوم میں تطبیق کے باعث ہی ظاہر ہوسکتے ہیں اور اس سلسلے میں اہل اسلام کے درمیان جو غلط فہمیاں پائی جارہی ہیں وہ بالکل بے بنیاد ہیں۔ جہاں تک پہلی غلط فہمی کا تعلق ہے تو یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ آج جو علم "سائنس" کے نام سے مشہور ہے وہ اصلاً ایک اسلامی علم ہے جو قرآن سے نکلا ہے۔ چنانچہ اسلامی عقائد کی رو سے باری تعالیٰ کی جو آٹھ ذاتی صفات ہیں (تفصیل پچھلے صفحات میں گزرچکی ہے) ان میں سے ایک "تکوین" بھی ہے جو "خلق وابداع" کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی صفت تکوین کی مظہر ہے جس کا مطالعہ ذات باری تعالیٰ اور اس کے صفات عالیہ کا مطالعہ ہے، جو معرفت الٰہی کا باعث ہے جیساکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے تصریح کی ہے (۱۱)۔ اور یہ اسلامی فلسفے کی اصل غرض وغایت ہے۔ بعض مسلم فلاسفہ نے اس پہلو پر بھی تحقیقی کام کیا تھا۔ چنانچہ قرون وسطی میں فلسفے کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ اشیائے عالم کے مطالعہ کےذریعہ باری تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جائے اور قرآنی تحریک کے مطابق اسلامی دور میں تکوینی علوم کی ترقی کے سلسلے میں کافی کام ہوا۔ مگر مسلم حکومتوں کے زوال کے بعد جب یہ علم مغربی ممالک میں پہنچا تو وہ بجائے "تکوین" کے "سائنس" کہلانے لگا۔ اس بنا پر اب اجنبیت پیدا ہوگئی ہے اور اسے قبول کرنے میں اہل اسلام کو بڑا تکلف ہورہا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ کسی چیز کا نام بدل جانے سے اسکی حقیقت بدل نہیں سکتی۔ یہ علم ہمارا

تھا اور ہمارا ہی رہنا چاہئیے ۔ جسے اسلام نے اپنے اپنے شرعی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ترقی دی تھی ۔ اور یہ علم آج ایک تناور درخت کی طرح بار آور اور ثمر آور بن چکا ہے اور اب اس کے ہر برگ وبار سے اصول دین کی تصدیق کی صدائیں بلند ہورہی ہیں ۔ لہذا یہ علم کسی بھی طرح

" اچھوت" نہیں ہوسکتا ۔ دین اسلام ہمیں حقائق وواقعات کے انکار کی تعلیم نہیں دیتا ۔ بلکہ ہر حقیقت کو تسلیم کرکے علم وعقل کی روشنی میں اس سے نپٹنے کی تربیت دیتا ہے ۔ لہذا حقائق کا انکار دین وشریعت کی کوئی خدمت نہیں ہے، بلکہ یہ فعل جدید طبقے میں دین وشریعت سے بیزاری بلکہ دست برداری کا جذبہ پیدا کرنے کا باعث بن سکتا ہے ۔ غرض تجرباتی علوم عقلی وشرعی ہر حیثیت سے ہمارے لئے قابل حجت ہیں اور موجودہ دور میں ان علوم کی ترقی کے باعث نہ صرف قرآن عظیم کا نیا اعجاز سامنے آرہا ہے بلکہ انہی علوم ومسائل سے عصر جدید پر خدا کی حجت بھی ثابت ہورہی ہے ۔ چنانچہ حسب ذیل آیات صاف صاف اس مسئلے پر روشنی ڈال رہی ہیں کہ انسانی علوم جو تجرباتی ومشاہداتی ہوں وہ خدائے علیم وخبیر کی نظر میں حجت اور قابل استدلال ہیں : "الم تران اللّٰه انزل من السماء ماءًفسلکه ینابیع فی الارض ثم یخرج به زرعاً مختلفاًالوانه ثم یهیج فتراه مصفراً ثم یجعله حطاماً،ان فی ذلک لذکریٰ لاولی الالباب " :

(اے مخاطب) کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اسے زمین میں چشموں کی شکل میں چلادیا ؟ پھر وہ اس پانی کے ذریعہ رنگ برنگی کھیتی اگاتا ہے، پھر جب وہ پک جاتی ہے تو تم کو زرد کھائی دیتی ہے ۔ پھر وہ اسے چورچور کردیتا ہے ۔ اس مظہر (ربوبیت) میں دانش مندوں کے لئے ایک درس عبرت ہے (زمر:۲۱) " اولم یروالی الطیر مسخرات فی جو السماء مایمسکهن الااللّٰه ، ان فی ذلک لایت لقوم یومنون " کیا ان لوگوں نے پرندوں کا نظارہ نہیں کیا کہ وہ (کسطرح) آسمانی فضا میں تھمے ہوئے ہیں ؟ انہیں بجز اللہ کے کوئی نہیں تھامتا ۔ اس مظہر خداوندی میں ایمان لانے والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں موجود ہیں (نحل : ۷۹) ۔

" اولم یر الذین کفروا ان السموت والارض کانتارتقاً ففتقنا هما ، وجعلنا من الماء کل حی ، افلایومنون " کیا ان منکرین نے (اپنی تحقیقات کی روشنی میں) مشاہدہ نہیں کیا کہ

(ابتداء میں) ارض وسماوات باہم ملے ہوئے تھے اور یہ کہ ہم نے پانی ہی سے ہر زندہ چیز بنائی ہے؟ تو کیا (ان عجائبات قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی) یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے ؟ (انبیاء : ۳۰)

" افلاینظرون الی الابل کیف خلقت ۔ والی السماء کیف رفعت ۔ والی الجبال کیف نصبت ۔ والی الارض کیف سطحت ۔ فذکر انما انت مذکر " :

کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کی خلقت کس طرح (عجیب وغریب طور پر) بنائی گئی ہے ؟ اور آسمان کس طرح اونچا اٹھایا گیا ہے ؟ پہاڑ کس طرح (زمین میں مضبوطی کے ساتھ) دھنسائے گئے ہیں ؟ اور زمین کس طرح(اسکی پوری گولائی میں) پھیلادی گئی ہے ؟ لہذا آپ (ان تمام مظاہر کا مطالعہ کرکے ان لوگوں کو خدا کے وجود اور اس کی قدرت وربوبیت پر) متنبہ کیجئے ۔ تمھارا کام صرف متنبہ کردینا ہے ۔ (غاشیہ : ۱۷ ۔ ۲۱) ۔ اس قسم کی بہت سی آیتیں موجود ہیں اور ان سب کی مفصل تشریح وتفسیر کےلئے ایک دفتر چاہئیے ۔ مگر مختصر طور پر عرض ہے کہ ان آیات کریمہ پر پہلی ہی نظر سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ رب العالمین کی نظر میں انسانی مشاہدات وتجربات قابل حجت ہیں ،کیونکہ انہیں کے ذریعہ وہ عالم مظاہر میں اپنے نشانات ودلائل ظاہر کرنا اور منکرین حق کی بے اعتباری دور کرنا چاہتا ہے ۔ اسی وجہ سے اس نے تمام موجودات عالم میں پوری وضاحت کے ساتھ یہ ساری " نشانیاں " رکھ چھوڑی ہیں ، جو غور وفکر کے باعث منظرعام پر آتی ہیں اور اسی وجہ سے اس نے نظام کائنات کا مشاہدہ کرنے اور ہر مظہر فطرت کا انتہائی باریک بینی کے ساتھ جائزہ لینے کی تاکید کی ہے ۔ چنانچہ اوپر مذکور پہلی آیت کے مطابق نباتاتی مظاہر میں غور کرنے سے " حیات ثانی " کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور اس کے وقوع میں آنے کی کیفیت پر سائنٹفک دلائل فراہم ہوتے ہیں جو غافل انسانوں کو جگانے کےلئے حددرجہ مؤثر ہوسکتے ہیں ۔ دوسری آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حیرت انگیز قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ پرندوں کی خلقت وبناوٹ اور ان کے احوال وکوائف کا جائزہ لینے پر وجودباری کے بہت سے دلائل سامنے آتے ہیں ۔ تیسری آیت اس حقیقت عظمیٰ پر بخوبی روشنی ڈال رہی ہے کہ نہ صرف انسانی مشاہدات معتبر ہیں بلکہ اس کا قیاس واستنباط بھی قابل حجت ہے ،یعنی انسان اپنی عقل وفکر اور منطقی استدلال کے ذریعہ حقائق بعیدہ کا بھی ادراک کرسکتا ہے ۔ باالفاظ دیگر معلوم حقائق کے ذریعہ نامعلوم حقائق تک بھی پہنچ سکتا ہے ۔ چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ ماضی بعید کے ایک " تکوینی واقعہ " کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ انسان اپنے غوروفکر ، قیاس اور قوت استنباط کے ذریعہ اس حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کی استعداو رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ ایک خدائی پیش گوئی یا ایک " خبر " کے طور پر اس کلام حکمت میں موجود تھی اور تحقیقات جدیدہ نے اس حقیقت تک رسائی حاصل کرکے کلام الہیٰ کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے کہ ابتداءً پوری کائنات کا " مادہ " ایک عظیم گولے کی شکل میں تھا جو ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ کر منتشر ہوگیا اور اسکے نتیجے میں ستارے ، سیارے اور کہکشائیں وجود میں آئے ۔ چنانچہ یہ نظریہ دنیائے سائنس میں " نظریہ عظیم دھماکہ " (بگ بینگ تھیوری) کے نام سے مشہور و

مقبول ہے ۔ اس سائنسی انکشاف سے قرآن عظیم کی صداقت اور اسکی علمی قدروقیمت بخوبی ظاہر ہوتی ہے ۔ صحیفہ ربانی میں اس قسم کی بہت سی "علمی خبریں" اور پیش گوئیاں موجود ہیں جو اہل ایمان کے ایمان میں اضافے اور منکرین کیلئے باعث عبرت ہیں ۔ بہرحال یہ آیت کریمہ انسانی محسوسات ومعقولات اور اسکے تجربات وقیاسات کے معتبر ہونے پر ایک قطعی اور روشن ترین دلیل ہے ۔ اور اب جہاں تک اوپر مذکور سورۃ غاشیہ کی آیات کا تعلق ہے تو وہ اس منشائے ربانی پر دلیل ناطق ہیں کہ اہل ایمان مظاہر فطرت کے مختلف نظاموں کا جائزہ لےکر ان میں موجود شدہ حقائق تک رسائی حاصل کریں پھر انکے ذریعہ عالم انسانی کو متنبہ کریں ۔ چنانچہ اہل ایمان کو حکم ہے کہ وہ بذریعہ "تذکیر" یہ خدمت انجام دیں ، جیسا کہ ارشاد باری ہے : "فذکرانما انت مذکر" (تم (ان لوگوں کو یہ سارے حقائق) یاد دلادو ۔ تمھارا کام صرف یاد دلانا ہے) پھر اسکے بعد مزید ارشاد ہے : "لست علیھم بمصیطر" (تم ان پر داروغہ نہیں ہو)۔ یعنی تمھارا کام صرف تذکیر وتنبیہ ہے ، چاہے وہ مانیں یا نہ مانیں کیونکہ کسی کو راہ راست پر لانا رسول یا اس کے نائبین کا کام نہیں ہے ۔ انکا کام تو محض تبلیغ وارشاد ہے کہ وہ خدا کا پیغام اسکے بندوں تک پہنچادیں ۔ باقی ان کو راہ ہدایت دینا یا نہ دینا تو وہ اللہ کے اختیار کی بات ہے اوراس اعتبار سے یہ آیات اہل ایمان کے مقام ومنصب اور انکے داعیانہ فرائض وکردار پر بھی بخوبی روشنی ڈال رہی ہیں کہ وہ موجودہ دور کی عقلیات اور اسکے تقاضوں کے پیش نظر حقیقت پسندانہ رویہ اپناتے ہوئے نوع انسانی کے افکار واذہان کی تطہیر وتزکیہ کا فریضہ انجام دیں تاکہ دین الہیٰ کو غلبہ واستیلا حاصل ہوسکے اور یہ امت مسلمہ کا ایک بنیادی فریضہ ہے جو علماء امت پر عائد ہوتا ہے ۔ کیونکہ نوع انسان کو راہ راست پر لانا انہی کی ذمہ داری ہے ۔اگر علماء اس میدان میں ناکام ہوجائیں تو پھراس کا وبال ساری امت پر آئے گا ۔ (جاری ہے)

حواشی

(۱). شرح فقہ الاکبر، ص ۵ ، دارالکتب العلمیہ ، بیروت ۱۹۸۴ء (۲). خلاصہ از موافقۃ صحیح المنقول : ۱ / ۴۳ ۔ دارالکتب العلمیہ ۱۹۸۵ء (۳). مفتاح السعادۃ ، ۲ / ۱۹ ، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد (۴). بخاری ، ۷ / ۱۶۹ مطبوعہ استانبول ، مسلم ۴ / ۲۰۶۳ مطبوعہ ریاض ۔ (۵). فتح الباری ، حافظ ابن حجر عسقلانی ، ۱۱ / ۲۱۷ ۔ ۲۱۸ ، مطبوعہ ریاض ۔ (۶) دیکھئے شرح فقہ الاکبر ، از ملا علی قاری ، ص ۲۵ ۔ ۳۵ ، مطبوعہ بیروت ۔ (۷). دیکھئے سیرت النبیؐ ، از علامہ سید سلیمان ندوی ، ۴ / ۴۹۰ ۔ ۵۱۰ اعظم گڑھ ۔ (۸). دیکھئے جواہر القرآن ، از امام غزالیؒ ، ص ۲۶ ، مطبوعہ بیروت ۱۹۸۵ء (۹). دیکھئے حوالہ مذکورہ ، ص ۴۲ ۔ (۱۰). بخاری کتاب الایمان : ۱ / ۱۸ ، مسلم کتاب الایمان : ۱ / ۳۹ (۱۱). دیکھئے شرح فقہ الاکبر ، از ملا علی قاری ۔ ص ۳۶

جناب شاہ بلیغ الدین صاحب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا اور شخصیت حسنہ

رنگ میں ملاحت بیان میں فصاحت ، چوڑا ماتھا ، پتلے ابرو ، بڑی بڑی آنکھیں ان میں لال ڈورے، اونچی ناک ، کشادہ ذہن، موزوں رخسار ، حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد سجیلا تھا ، نہ بڑا تھا نہ چھوٹا مگر تھا ذرا نکلتا ہوا ۔ ایک بات خاص تھی ۔ کوئی ساتھ ہوتا تو اس کا قد دب جاتا ۔ آپ ہی بلندو بالا نظر آتے ۔ رسالت پناہ کی صحت نہایت اچھی تھی ۔ بدن بھاری نہ ہلکا، درمیانہ تھا ۔ قامت کے لئے نہایت زیبا ، جلد نرم ، سینہ فراخ ، پیٹ دبا ہوا ، سر بڑا تھا ۔ بال کالے ملائم اور لمبے تھے ۔ کوئی کہتا کان کی لوتک پہنچتے ، کوئی کہتا کندھے پر پڑے رہتے ۔ داڑھی گول گھنی ، قریب تھا کہ سینہ ڈھک لے ،موچھیں ترشی ہوئی ۔ سیدالعرب والعجم کو اللہ نے احسن تقویم کے کمال پر پیدا کیا تھا ۔ براءؓ ابن عازب سے پوچھا گیا کہ کیا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ کھڑا تھا ، تلوار کی طرح لمبا اور پتلا ؟ بولے " نہیں ! مجھے تو ماہتابی معلوم ہوتا تھا" ۔ روایتیں ہیں کہ بالکل گول نہیں تھا ۔ ذرا کتابی چہرہ تھا ۔ روشن روشن ، تاباں تاباں ! کعب بن مالک کہتے ہیں کہ کسی بات پر خوش ہوتے تو چہرہ مبارک کھل اٹھتا ۔ انہوں نے تشبیہ دی کہ روئے مبارک چاند کا ٹکڑا بن جاتا ۔ یہی حضرت ابوبکرؓ بھی کہتے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ چہرہ چاندی کا ہالہ تھا ۔ آنحضرتؐ کے بازوسڈول ، ہتھیلی چوڑی اور بھرواں ، انگلیاں لمبی اور بھرواں ، ایڑی پتلی ، پاؤں گداز اور ان کی جلد روغنی تھی ۔ پیر دھوتے تو پانی ڈھلک جاتا تھا ۔ رفتار میں متانت تھی ، وقار تھا اور فروتنی ۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ چلتے تو معلوم ہوتا کہ زمین خودہی لپٹتی جارہی ہے ۔ تیز رفتار نہ تھے لیکن ہم ساتھ نہ دے سکتے تھے ۔ قدم ملاتے تو محسوس ہوتا جیسے ہم دوڑ رہے ہیں ۔ پیدل نکل کھڑے ہوتے اور صحابہ کرامؓ کا ساتھ ہوتا تو فرماتے کہ آگے آگے رہو میرے پیچھے فرشتوں کی جگہ ہے ۔

والدہ محترمہ نے " محمد " نام رکھا ۔ دادا نے اسی نام کا اعلان کردیا ۔ لوح محفوظ پر بھی یہی نام لکھا تھا ۔ یہی اسم ذات ٹھہرا اور آمنہؓ کا جگر گوشہ اسم بامسمیٰ نکلا ۔ قسطلانی نے لکھا یہ اسم گرامی حضرت آمنہؓ کو خواب میں القا ہوا ۔ ابو نعیم بھی یہی کہتے ہیں : یہ بخت واتفاق نہیں فیصلہ ربانی تھا ۔

"آل عمران" ، "الاحزاب" اور " الفتح" میں یہی نام آیا اور قرآن حکیم کی ایک پوری سورت کا نام ہے " محمد " اسکی دوسری آیت میں رب المشرقین ورب المغربین نے پھر یہی پیارا نام لیا ہے ۔ نام محمد

! جس پر اللہ تعالیٰ بھی اور اسکے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ حضرت عیسیٰؑ نے بشارت دی تھی کہ میرے بعد آنے والا "احمد" ہوگا۔ آپؐ محمدؐ بھی کہلائے احمد بھی اور کئی ناموں سے پکارے گئے حتیٰ کہ رب کریم نے رؤف ورحیم کے نام سے بھی پکارا۔ مواہب اور شرح مواہب میں آٹھ سو نام ملتے ہیں۔ ایک ایک نام ایک ایک دبستان ہے۔ جبیرؓ بن مطعم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں محمدؐ ہوں، احمد ہوں، حاشر ہوں، ماح ہوں، خاتم ہوں، عاقب ہوں۔ حاشر، خاتم اور عاقب ایسے نام ہیں جو صاف بتاتے ہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی اور نبی نہیں۔ نگاہ پاک، ذہن پاک، کپڑے پاک "المدثر" اور "المزمل" کہلانے والے صاحب صدق وصفا کارواں رواں پاک تھا۔ ہاتھ، پاؤں ستھرے، چہرہ تروتازہ، دانتوں میں موتی ڈلک، ہیرے کی للک، سامنے کے دونوں دانتوں میں ذراسا شگاف تھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ فصل بڑا حسین معلوم ہوتا تھا۔ تازہ وضو کے جویا، نہانے کے خوگر، مسواک کے عادی اور عادی بھی ایسے کہ بستر مرگ پر بھی یہ اسوہ نہ چھوٹا۔ ارشاد تھا کہ "مسواک کرنے سے بینائی کو جلا ملتی ہے"۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ فرمان تھا۔ "مسواک کرنا۔ بجز موت کے ہر بیماری سے شفا دیتا ہے"۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں نے سنا، آپ نے فرمایا کہ "مسواک کرنا فصاحت کو بڑھاتا ہے"۔ آپؐ طاہر بھی تھے طیب بھی۔ بدن میں خوشبو، سانس میں مہک پسینہ بھی معطر تھا۔ ارشاد تھا کہ "میری امت پر بار ہونے کا خیال نہ ہوتا تو میں مسلمانوں کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے اور خوشبو استعمال کرنے کا حکم دیتا"۔

ختمی مرتبت دیکھنے میں خوشرو، میل ملاپ میں خوش اخلاق، یکتائے زمانہ اور یکتائے روزگار تھے۔ آپؐ کی خاموشی میں جلال تھا۔ گویائی میں جمال۔ اللہ جمیل اور آپؐ یحب الجمال تھے۔ اپنی ذات کے لئے آپؐ نے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ کبھی کوئی ناشائستہ لفظ زبان سے نہ نکلا، کبھی کسی کا برا نہ چاہا، کبھی کسی کا دل نہ توڑا۔ دوستوں کیلئے رؤف و رحیم، دشمنوں کیلئے کریم اور حلیم۔ انتقام کی جگہ احسان فرماتے، کمال کی قدر کرتے، شہسواروں کا دل بڑھاتے نیزہ بازوں کی پیٹھ ٹھونکتے۔ پیراکی کے ماہر اور کشتی میں طاق تھے۔ شعر سنتے، خوابوں کی تعبیر دیتے تھے۔ معمار بھی تھے، عمارت ساز بھی، محنت سے کبھی جی نہ چراتے۔ اپنا ہی نہیں دوسروں کا کام بھی کردیا کرتے۔ سوداسلف لانے سے عار تھا نہ جھاڑو جھٹکے سے پرہیز، آپؐ نیک نامی سے خوش ہوتے بدنامی کو ناپسند فرماتے۔ مہمانوں کی تعظیم کرتے اور ہمسائیوں کی تکریم، حیاء ایسی تھی لحاظ ایسا کہ صاحب قاب قوسین ہوکر بھی تمکنت سے نہ بیٹھتے تھے۔ صحابہؓ گرد ہوتے تو پیر نہ پھیلاتے۔ کوئی اجنبی ہوتا تو تواضع سے پیش آتے۔ سچے ایسے کہ چشم فلک نے ایسا سچا کوئی نہ دیکھا۔ دوست تو دوست دشمن بھی اسکا اعتراف کرتے، بدر کی لڑائی ہورہی تھی، میدان جنگ میں تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی پھنکار میں بنوزہرہ کے

سردار اخنس بن شریق نے ابوجہل سے پوچھا۔" کہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں یا جھوٹے؟ دل کی بات بتانا سچ پر پردہ نہ ڈالنا"۔ وہ ایک زمانے کا بیری، کبرو نخوت کا پتلا، نعرہ حق سنتا تو اس کے دل میں آگ بھڑکتی، سر پر گاج گرتی، سینے پر سانپ لوٹ جاتا کانوں میں بادل کڑکتے اور آنکھوں میں بجلی کوند جاتی وہ ظالم تو صفا کی پہاڑی پر اللہ کے رسولؐ کو زخمی کر چکا تھا۔ بار بار آپکے قتل کے منصوبے بنا چکا تھا مگر اس موقع پر دل کی بات کہہ گیا کہ" آدمی سچے ہیں۔ جھوٹ کبھی انکی زبان پر نہیں آتا"۔ حضرت علیؓ وناازعہ بن کعب کی روایت ہے اس نے آنحضرتؐ سے کہا کہ" ہم آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتے آپ کے پیام کو جھٹلاتے ہیں"۔ایسی ہی بات ابوسفیان کی زبان سے بھی نکلی تھی۔ حضور اکرمؐ نے قیصرروم کو جب اسلام کی دعوت بھیجی تو اتفاق سے ابوسفیان ان دنوں شام میں مقیم تھے۔ قیصر نے انہیں بلا بھیجا اور پوچھا کہ جو نبی تمھارے ملک میں پیدا ہوئے ہیں کیسے آدمی ہیں؟ ابوسفیان نے جو اس زمانے میں اسلام نہیں لائے تھے کچھ بھی کہہ سکتے تھے۔ حق ان کی زبان پر آگیا کچھ یوں بولے کہ" سچے ہیں، ایماندار ہیں، اچھے ہیں۔ ان کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے ان میں برائی بس اتنی ہے کہ ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں"۔ ہمارے ہادی برحق زبان کے سچے، قول کے پکے اور معاملے کے کھرے تھے۔ دل صاف تھا ایسا کہ سچا موتی۔ لہجہ شیریں باتیں میٹھی۔ ہر لمحہ ہر گھڑی" قولوا للناس حسنا" پر عمل پیرا تھے۔ حق کے سوا کبھی زبان سے کچھ نہ نکلتا تھا۔ باتوں میں گلوں کی خوشبو تھی، جو کہتے ٹھہر ٹھہر کے کہتے، کوئی گننے والا چاہتا تو الفاظ گن لیتا۔ ہاتھ کھلا تھا، ظرف بڑا تھا، لیکن سخاوت کا یہ حال جیسے بہتی ہوا۔ رکاوٹ تھی ہی نہیں۔ پلے کچھ نہ ہوتا تو قرض لے لیتے۔ لیکن سخی داتا سائل کو کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ خوشحالی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں دیتے جاؤ۔ بیواؤں، یتیموں، مسافروں اور بے نواؤں کے غمگسار، زندگی بھر یہی کرتے رہے کہ منہ کا نوالہ بھی دوسروں کو دے دیتے۔ فقروغناء کی ایسی شان کہ کیا کسی نے دیکھی ہوگی۔ بڑے صابر، بڑے شاکر تھے۔ وقت بیکار کبھی نہ کھوتے۔ شب وروز کو تین حصوں میں بانٹ رکھا تھا۔ ایک حصہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے مختص کر رکھا تھا، ایک حصہ بندگان خدا کی خدمت میں لگاتے اور ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے وقف تھا۔ اوقات کی یہ بڑی صحت مند تقسیم تھی۔ بیوی بچوں کا پورا حق ادا کرتے۔ نقطہ عدل سے ذرا نہ ہٹتے۔ نظم وضبط کے سخت پابند تھے، لیکن ضد سے بچتے اور ترش رو بالکل نہیں تھے۔ جس سے ملتے مسکرا کر ملتے۔ نبوت کی گرانبار ذمہ داریوں نے آپؐ کو خشک مزاج نہیں بنایا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گھر میں داخل ہوتے تو مسرت کی لہر دوڑ جاتی۔ بے جا اور غیر متعلق بات کبھی نہ کرتے، مجلس میں قہقہہ نہ لگاتے، بغیر اجازت کسی کے گھر نہ جاتے۔ سلام میں پہل کرتے، بچوں سے پیار کرتے، بیماروں کی عیادت

فرماتے۔ خود نماز پڑھتے تو چاہتے کہ لمبی ہوجائے۔ خطبہ دیتے تو کوشش کرتے کہ مختصر ہوجائے۔ اکثر قبلہ رو رہتے۔ ذرا فرصت ملتی تو ذکر الٰہیٰ میں مشغول ہوجاتے۔ ارشاد تھا کہ " میں زمانہ امن میں بھی رحمت اور زمانہ جنگ میں بھی رحمتؐ"۔ مسلمانوں کو جہاد پر بھیجتے تو نصیحت فرماتے۔" یاد رکھو تم میں خدا کے نزدیک بڑا وہ ہے جو کردار کا اچھا ہے۔ جو لوگ تمھارے ساتھ ہیں ہر دم انہیں اپنا بھائی سمجھو۔ اور ہر وقت انکی بھلائی کا خیال رکھو"۔ مجاہدوں سے ارشاد فرماتے:" اللہ کی راہ میں اللہ کے نام پر کافروں سے لڑنا۔ خیانت و بد عہدی سے بچنا۔ لاشوں کو بے حرمت نہ کرنا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سے اچھا سلوک کرنا۔ انہیں قتل نہ کرنا"، آخر میں ارشاد فرماتے کہ" میں تمھارے فرض کی امانت اور تمھارے اعمال کے نتائج کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں"۔

دنیا کہتی ہے جنگ میں ہر بات روا ہے۔ مجاہد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین کی کہ جنگ کے بھی آداب ہیں۔ انہیں ہمیشہ ملحوظ رکھو۔ ساتھ ہی فرمایا کہ جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے۔ جہاد (قتال) دین کا کوہان ہے۔ یہ وہ عبادت ہے جس کے صلے میں اللہ تعالیٰ حیات جاوید عطا فرماتا ہے۔ یہاں کانٹے کی بات جو یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ مسلمان میدان جہاد میں ہوتا ہے تو سخت نظم وضبط کا پابند ہوتا ہے۔ بلاوجہ خون ریزی نہیں کرتا۔" سورہ بنی اسرائیل" کے مطابق صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ممکن کوشش ہوتی کہ لڑائی کو ٹال دیں۔ صلح وصفائی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ اس پر بھی دشمن نہ مانتا تو اللہ کے نام پر اٹھ کھڑے ہوتے رحمۃ للعالمینؐ کے عہد کی کوئی لڑائی جارحانہ نہیں تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ کشور کشائی کیلئے آپ نے کبھی تلوار نہیں اٹھائی۔ مال غنیمت کبھی آپ کا مطلوب ومقصود نہ رہا۔ غنیمت کے احکام تو بدر کے لڑائی کے بعد آئے۔ عبدؓاللہ بن جحش نے جو غنیمت نکالی تھی اسے آپ نے اس وقت تک ہاتھ نہ لگایا جب تک اللہ کا حکم نہ آیا۔ فتح کے بعد آپ کا طریقہ یہ تھا کہ تین دن آپ اس جگہ قیام فرماتے۔ لڑائی کے بعد پھر کبھی ایسا نہ ہوتا کہ دشمن کو کسی عنوان سے پریشان کیا جاتا۔ ایک بات سرور کائناتؐ میں ایسی تھی جو کسی سپہ سالار نے نہ دیکھی نہ سنی۔ وہ ہے خون انسانی کا احترام۔ پیغبروں میں کسی نے آپ کے برابر لڑائیاں نہیں لڑیں۔ دنیا کے بہت سے عظیم فرمانرواؤں نے بھی اتنی لڑائیوں کی کمان نہیں کی، لیکن جب اللہ کے آخری نبیؐ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو دس لاکھ مربع میل کے رقبہ پر لاالہ الا اللہ کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اتنی بڑی مملکت کی قیام کیلئے تلوار نے نہیں آپؐ کی تعلیمات اور آپؐ کے خلق عظیم نے کام کیا۔ اس حقیقت کو معلوم کرنا ہو تو یہ دیکھئے کہ عہد نبویؐ کی جنگوں میں جو دس سال کے عرصہ پر محیط رہیں کتنے لوگ کام آئے؟۔ ایک سو بیس مسلمان اور ڈیڑھ سو سے کچھ زیادہ مشرک خون انسانی کا یہ احترام دنیا کے کسی خطہ کی تاریخ اور کسی

دور میں نہیں ملتا۔ اس قدر سچ ہے یہ بات کہ جنگ ہو یا امن ہر حال میں آپ دنیا کے لیے رحمت ہی رحمت تھے۔ صاحب تاج والمعراجؐ مبلغ بھی تھے معلم بھی تھے مصلح بھی تھے مرشد بھی ہر طرح نمونہ کامل تھے۔ رزم ہو یا بزم ہو بندوں میں سب سے اعلیٰ، خالق کے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اور آپ ہی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے دن میں روزے رکھتے روزے بھی ایسے کہ متصل رات کو نمازیں پڑھتے، نمازیں بھی ایسی کہ مسلسل۔ ذکرواذکار تسبیح و تحلیل الگ، عرض کیا جاتا کہ اللہ نے آپکو برگزیدہ بندہ بناکر پیدا کیا ہے۔ اگر آپؐ حد سے زیادہ بڑھی ہوئی محنت نہ اٹھائیں تو کیا حرج ہے؟ خود اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے کہ ہم نے یہ قرآن اسلیے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ جواب میں ارشاد ہوتا کہ "کیا میں اپنے رب کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ کبھی اپنی صاحبزادی سے فرماتے کہ خبردار فاطمہؓ" یہ سمجھنا کہ تم میری بیٹی ہو عمل سے بیٹی ہو۔ عمل سے اپنی عاقبت کو سنوارو مجھے خود نہیں معلوم کہ مجھ پر کیا گذرے گی؟۔ اللہ اللہ! کیا پاکیزہ تعلیم تھی۔ کتاب وحکمت کا کیسا سچا اور اچھا درس تھا۔ یہی تو حجۃ الوداع کے آخری لمحوں میں کوئی سوا لاکھ بندگان خدا سے جو اس موقع پر حاضر تھے دریافت فرمایا کہ کیا میں نے اللہ کا ایک ایک حکم تم تک نہیں پہنچایا؟ ایک زبان ہوکر سب نے اقرار کیا کہ بےشک یا رسول اللہؐ آپ نے اللہ کا ایک ایک حکم ہم تک پہنچا دیا۔ قلب ونظر، شمس وقمر، کوہ ومکر سب گواہ تھے کہ پیغمبری کا حق ادا ہوا۔ انسانی سروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو یہ گواہی دے رہا تھا کسی نبی کو کسی امت نے ایسا نہ چاہا جیسے آپؐ چاہے گئے۔ کسی رسول نے اپنی زندگی میں اپنے ماننے والوں کی اتنی بڑی تعداد نہ دیکھی۔ جواب سنکر دانائے سبل ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ مولیٰ! سن لے تیرے بندے کیا کہتے ہیں؟ جب بندوں کا لفظ زبان پر آیا تو انگشت شہادت سے زائرین حج کی طرف اشارہ کیا۔ فضاء میں ہر طرف تسبیح وتقدیس کا ہمہمہ تھا۔ دل میں درودوسلام اور لب پر درودوسلام لیے اللہ کے نیک بندے ہادی برحق کی ایک ایک بات سن رہے تھے۔ اللہ کے ہی گھر مسجد نمرہ جانے کیلئے اونٹنی "قصویٰ" کے کجاوے میں سوار ہوئے تو مژدہ سنایا گیا۔" الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا "آج ہم نے اپنے دین کو مکمل کردیا۔ اپنی نعمتیں بندوں پر تمام کیں اور اسلام کو سب کا دین بناکر خوش ہیں۔ اے سبحان اللہ کیا مژدہ تھا اِن دن کا تو صبح ازل سے انتظار تھا۔ اللہ نے ختمی مرتبت کو قبولیت دی تو بےپناہ، قرب عطا فرمایا تو دائمی اے خوشا! کیا مقام ہے بے مثل، بے نظیر

اے شہنشاہ رسل ختم رسلؐ فخر رسلؐ — خوب سے خوب خوش اسلوب ہوا خوب ہوا

تو جو اللہ کا محبوب ہوا خوب ہوا — یا نبیؐ خوب ہوا خوب ہوا خوب ہوا

جناب سید اختیار جعفری صاحب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فن شعر

فاطر فطرت نے نفس انسانی کی اصلاح اور ارتقاء کے لیے جو بمقتضائے وقت اور مقام رہنما بھیجے ان کو ایک نظام اور اس نظام عمل کی تعمیل کے ذرائع بھی دیئے ۔ تاکہ اس سے مخالف قوتوں کو دبا سکیں ۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا کہ وہ اپنے عصا کو چلتا پھرتا ازدہا بنادیں اور جادوگروں کی آنکھیں کھولیں ۔ یہ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو اور جادوگروں کا بہت زور تھا جو رسی اور لکڑی کو سانپ ظاہر کرکے دکھا سکتے تھے ۔ دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جالینوس کے اصول طب پر بڑا ناز کیا جاتا تھا ، جس سے خدا فروشی اور مادہ پرستی عام ہوچلی تھی ، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا روحانی معجزہ ملا کہ وہ بیماروں کو صرف چھو کر اور مردوں کو دو حرف کہہ کر زندہ کرسکتے تھے ۔

پیغمبر عالم اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کہانت اور شاعری کا بڑا زور تھا ۔ خاص طور پر شعراء عرب کو اپنی فصاحت وبلاغت پر اتنا غرور تھا کہ وہ اپنے مقابلے میں دیگر تمام ممالک کو عجم (گونگا) کہتے تھے ۔ بعض کو تو یہ زعم تھا کہ ان جیسے شعر کہنا ناممکن ہے ۔ چنانچہ سات قصیدہ کعبۃ اللہ کے دروازے پر اسی دعویٰ سے لٹکائے گئے تھے ایسے زمانہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن سنانا شروع کیا تو فصاحت وبلاغت اور جامعیت دیکھ کر دنگ رہ گئے ۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ نہ اس کو شعر کہہ سکتے تھے ، اس لیے کہ اس کا انداز بیان شعراء کے اصول موضوعہ کے مطابق نہ تھا ۔ نہ یہ ممکن تھا کہ اس کو شعر نہ کہیں ، اس لیے کہ الفاظ اور معانی کا حسن ، ترتیب کلمات کی متانت ، ہم قافیہ جملوں کا تواتر ، تشبیہ ، کنایہ ، استعارہ اور تمثیل کی دل کشی ، حقائق وجذبات کا اہتمام غرض ان کے مسلمات کے مطابق جو امور کسی کلام کو شعر بنا سکتے ہیں بجز ایک مفروضہ وزن کے وہ سبھی اس میں موجود تھے اور اعلیٰ درجے کے نمونے موجود تھے بلکہ کہیں کہیں متفرق جملے انتہائی موزونیت کے ساتھ بھی موجود تھے ۔ ان میں بھی سب سے اہم بات یہ کہ ہر بات تاثیر میں ڈوبی ہوئی تھی ۔ ساتھ ہی جو پیشین گوئیاں کی جاتی تھیں وہ بھی بالکل صحیح ثابت ہوتی تھیں ۔ اس لیے سب نے آپ کا اعجاز کلام تسلیم کرلیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

کاہن اور شاعر کہنے پر مجبور ہوئے۔

کاہن اور شاعر:- کہانت اور شاعری ان میں معیوب نہ تھی، بلکہ موجب فخر سمجھی جاتی تھی، لیکن چونکہ اعجاز نبوت کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کو (نعوذباللہ) کاہن اور شاعر کہتے تھے۔ اس لیے اس فریب کو بھی قرآن نے توڑ دیا اور کہانت تو کہانت آپ کی ذات سے شعر کی بھی نفی کردی اور کاہنوں اور شاعروں پر اس طرح تنقید کردی "یہ کاہن تو باتیں اڑالیتے ہیں۔ ادھر ادھر کی باتیں سن کر یا اپنی معلومات پر قیاس کر کے پیشین گوئی کرتے ہیں اور غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں"۔

"ناقابل اعتبار اور بدکار ہوتے ہیں اور اکثر ان میں سے جھوٹے ہوتے ہیں" اور شاعروں کو گمراہوں کا پیشوا قرار دے کر ارشاد فرمایا "یہ ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں، ہر قسم کی اچھی بری بات کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور بیشتر جھوٹ اور مبالغے سے کام لیتے ہیں" "جو کہتے ہیں، کرتے نہیں"۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح فرمادیا کہ ہر شاعر اس حکم میں داخل نہیں۔ جو صاحب ایمان اور نکوکار ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں"۔ مختصر یہ کہ نہ کاہنوں کی قیاس آرائی کو احکام نبوت سے کوئی نسبت ہے نہ شاعرانہ موہومات اور واہی تباہی باتیں حقائق اور مکارم اخلاق کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ لیکن مخالفین یہی سمجھتے تھے کہ ایسی حیرت انگیز باتیں کرنے والا یا تو کاہن ہوسکتا ہے یا شاعر، یا جادوگر یا دیوانہ، بہرحال وہ آپ کی نبوت کا اعتراف نہ کرتے تھے۔ اس لیے اتمام حجت کے لیے ان سے کہا گیا کہ اگر تم کو شبہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے تو ایسی کوئی سورت یا اس کی جیسی کوئی عبارت تم بھی بنالاؤ۔ اور ساتھ ہی چیلنج بھی دے دیا گیا کہ تم سب مل کر بھی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکو گے۔ چنانچہ سب مدعیان فصاحت اپنی اپنی کوششوں میں ناکام ہوکر رہ گئے اور جب ان چند کلمات میں اعجاز فصاحت وبلاغت کا مشاہدہ کیا، "انا اعطینک الکوثر ، فصل لربک وانحر ۔ ان شانئک ھو الابتر ۔ تو ماننا پڑا : ماھذا قول البشر ۔" نتیجہ یہ ہوا کہ سبعہ معلقات جو معجزات فصاحت سمجھے جاتے تھے۔ کعبہ کے دروازہ سے اتارلیے گئے اور شعرائے عرب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

سیرت نبوی کا یہ وہ پہلو ہے جس سے کہانت کا اس طرح ابطال ہوگیا جس طرح اعجاز موسوی سے جادو کا اور شعر کی اصلاح کی ایسی بنیاد پڑی جیسی تن بیمار کی اعجاز مسیحائی سے کہانت کا دارومدار چونکہ قرائن وقیاس پر تھا جو اکثر غلط ہوجاتے تھے اور چونکہ اس قسم کی اوہام پرستی کا قوت عمل پر مہلک اثر پڑتا تھا، اس لیے اس کا تو تختہ ہی الٹ دیا گیا اور کاہنوں کو بلا استثناء ناقابل

اعتبار اور ان میں سے اکثر کو جھوٹا کہہ دیا گیا۔ لیکن شاعری چونکہ بیکار چیز نہ تھی، بلکہ اس فن کا استعمال غلط کیا جاتا تھا، شعرائے جاہلیت آپس میں ایک دوسرے کو بھڑکانے اور آپس میں لڑانے کیلئے اپنا سارا زور کلام صرف کرتے تھے، اور خودکسی زندگی کے اصول کے پابند نہ ہوتے تھے، اس لیے ان کی اس قسم کی لاابالی اور بے عمل زندگی کے مقابلے میں ایک راہ عمل بناکر سمجھا دیا گیا کہ جو اس راہ پر چلیں گے اچھے شاعر سمجھے جائیں گے۔

ایک شبہ :- سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شعر سے یہ علاقہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ لیکن بعض قرینے ایسے بھی ہیں، جن سے شعر کی نسبت مخالف و موافق دونوں پہلو نکلتے ہیں۔ مثلاً قرآن کریم کا یہ ارشاد: "وما علمنه الشعر وما ينبعى له ٥ ان هوالاذكر وقرآن مبين ٥ لينذر من كان حياً ويحق القول على الكافرين "۔ واضح کرتا ہے کہ:- (۱). آپ کو شعر کا علم نہیں دیا گیا۔ (۲). نہ یہ علم آپ کے لائق تھا۔ (۳). بلکہ آپ کا منصب تو تعلیم قرآن اور تبلیغ احکام دین تھا۔ (۴). تاکہ ہر ایسے شخص کو جو زندہ ہو، یعنی جس میں ہدایت پانے کی صلاحیت ہو، پاداش عمل سے ڈرائیں اور اگر کوئی آپ کی بات نہ بھی مانے تو کم سے کم اس پر حجت پوری ہوجائے، تاکہ وہ یہ نہ کہہ پائے کہ مجھ سے تو کسی نے حق بات کہی ہی نہ تھی، اس قرینے سے شعر کامنافی منصب نبوت اور خلاف منشائے ہدایت ہونا پایا جاتا ہے۔ (۵). اس کے علاوہ شاعروں کو گمراہوں کا پیشوا کہنا (الشعراء يتبعهم الغاوون) اور آپ کا ایسے لوگوں کا رہنما ہونا جن میں ہدایت پانے کی صلاحیت ہو (لينذر من كان حياً) ایسا قرینہ ہے جس سے مذکورہ بالا نظرئیے کی تائید ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ شعر اور نبوت میں وہی تقابل ہے جو ضلالت اور ہدایت میں ہے۔

دوسرا نظریہ :- دوسرا نظریہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں نفس شعر کی مذمت نہیں ہے، بلکہ ان شعراء کی مذمت ہے جو شعر کا غلط استعمال کرتے ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"والشعراء يتبعهم الغاوون ٥ الم ترانهم فى كل واديهيمون ٥ وانم يقولون مالايفعلون ٥ الا الذين آمنوا وعملوا الصالحات وذكروا الله كثيراً وانتصروا من بعد ماظلموا وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون ٥ " ان آیات سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

(۱). شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بے راہ ہوتے ہیں۔ (۲). شاعر ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ (۳). شاعروں کے قول وفعل میں مطابقت نہیں ہوتی۔ (۴). البتہ ان شاعروں میں سے وہ

مستثنیٰ ہیں جو ایمان اور حسن عمل سے متصف ہیں ۔ بیشتر یاد الہیٰ میں مصروف رہتے ہیں اور اگر ان پر ظلم ہوتا ہے تو اس کی مدافعت کرتے ہیں ۔ (خود ظلم نہیں کرتے) یعنی کوئی اگر شعر کے ذریعہ سے ان کی مخالفت یا ہجو وغیرہ کرتا ہے توہی وہ اس کا جواب شعر سے دیتے ہیں ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شعر کا عیب وصواب شاعر کی طرف منسوب ہوتا ہے ۔ نہ کہ نفس شعر کی طرف ۔ چنانچہ امرا القیس کو جو دور جاہلیت کا جلیل القدر شاعر تھا ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے " اشعر الشعراء وقائدھم الی النار " فرمایا اور حضرت حسان بن ثابتؓ کی نسبت جو عہد رسالت کے شاعر تھے ، ارشاد ہوا " انّ اللہ یؤید حساناً بروح القدس " لہذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ ازروئے قرآن وحدیث شعر میں فی نفسہ کوئی عیب نہیں ہوتا ۔ جیسا شاعر ہوتا ہے ویسا ہی شعر ہوتا ہے ۔ لیکن شبہ یہ ہوتا ہے کہ جب شعر میں فی نفسہ کوئی قباحت نہ تھی ، جس کے لیے ایمان والوں کو اجازت ہوئی تو پھر کیا وجہ تھی کہ اس فن کو شائستہ نبوت نہ سمجھا گیا اور اگر یہ فن محل قباحت ہونے کی وجہ سے یعنی اس وجہ سے آپ کے لائق نہ تھا کہ عموماً شعر میں جھوٹی اور بے سروپا باتیں کہی جاتی ہیں اور شاعر اکثر بے عمل ہوتے ہیں ، تو جب ان عیوب کے نہ ہونے پر اہل ایمان عام شعراء سے مستثنیٰ کردئیے گئے تو آپ بسبب سرچشمہ ایمان وہدایت ہونے کے بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوسکتے تھے ۔ لیکن ایسا نہ ہوا ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شعر میں شعراء کے مذکورہ عیوب کے علاوہ فی نفسہ کوئی نہ کوئی بات ایسی بھی ہے جو منافی منصب نبوت اور خلافت منشائے ہدایت ہو پھر سیرت نبویؐ سے شعر کی اصلاح اور ترقی کیا معنی ؟

شعر کی حقیقت :- اس شبہ کو رفع کرنے کی غرض سے اول ہم کو شعر کی حقیقت پر ایک تفصیلی نظر ڈالنا چاہئیے ۔ دراصل شعر کلام کی اس مخصوص ترتیب کا نام ہے ، جس کے لفظوں میں اصول موسیقی کی تصویر اور معنی میں جذبات انسانی کی تاثیر پائی جائے ۔ شعر کے اجزائے ترکیبی چار ہیں : (۱) لفظ (۲) معنی (۳) وزن (۴) قافیہ ۔ غالباً ہمیشہ ہر جگہ انہی عناصر اربعہ پر شعر کی بنیاد ہی ہے آج کل جو شعر کی نئی نئی تعریفیں سننے میں آتی ہیں ، انہی اجزاء میں سے کسی نہ کسی کی تفصیل یا تحلیل ہوتی ہے ۔ مثلاً کہا جاتا ہے : (۱). دلکش الفاظ کا مجموعہ شعر ہے ۔ (۲). حسن معانی کا اثر شعر ہے (۳). کلمات کی متناسب الحرکات ترتیب شعر ہے ۔ (۴). مشترکہ جزو کلمات کی تفصیل تکرار شعر ہے ۔ (۵). کبھی ان تمام تعریفوں کو جمع کرکے کہا جاتا ہے کہ شعر ایسے بامعنی الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے ، جس میں وزن اور قافیہ پایا جائے ۔ (۶). کچھ اس پر اضافہ اور کیا جاتا ہے کہ ایسا کلام جو ارادہ سے کہا گیا ہو تو وہ شعر ہے ورنہ نہیں ۔ کبھی بطریق تفریق اس میں سے بعض اجزاء کی نفی کی جاتی ہے ۔ مثلاً شعر

کے لیے ارادہ ضروری نہیں۔ (۲). شعر کے لیے نہ ارادہ ضروری ہے نہ قافیہ (۳). شعر وزن کا محتاج نہیں ہے۔ (۴). شعر کسی معنی یا مفہوم میں مقید نہیں ہوسکتا۔ (۵). شعر کے لیے لفظ کی بھی قید نہیں ہے، محسوسات بھی شعر ہوسکتے ہیں۔ (۶). ان آزادیوں کو دیکھتے ہوئے اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ شعر کو بھی شعر نہیں کہا جاسکتا۔

شعر کی تعریف:۔ جو لوگ شعر کو لفظ۔ معنی۔ وزن اور قافیہ کی قید سے آزاد کہنا چاہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ شعر چونکہ شعور سے مشتق ہے اس لیے ہر وہ چیز جو کسی قسم کا معین یا غیر معین شعور پیدا کرے۔ شعر ہوگی۔ مثلاً مرئیات، مشمومات۔ مسموعات۔ مذوقات، ملموسات، متخیلات، تموہمات، متمیزات وغیرہ سب شعر ہیں۔ پانی کی صفائی ہو یا کیچڑ کا میلاپن، گلاب کی خوشبو ہو یا کھاد کا تعفن، بلبل کا ترانہ ہو یا الو کی آواز، آم کی شیرینی ہو یا اندر ائن کی تلخی، پھول کی نرمی ہو یا یا کانٹے کی خلش سب شعر ہیں، جن سے کوئی خوشی یا رنج، رحم یا غصہ، ہمت یا ڈر یا اور کسی قسم کا تاثر پیدا ہو۔ اس نظریہ کی رو سے شعر صرف احساس کا نام ہے۔ اظہار اس میں شامل نہیں۔ لیکن چونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک چیز سے ایک طبیعت متاثر ہو دوسری نہ ہو یعنی وہ چیز کسی کے لیے شعر ہو کسی کے لیے نہ ہو، اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز سے کسی وقت ایک ہی طبیعت متاثر ہو، کسی وقت نہ ہو، یعنی وہی چیز کبھی شعر ہو کبھی نہ ہو، اس لیے اس تعریف سے شعر متعارف نہ ہوگا اور ضرورت ہوگی اس میں احساس کے ساتھ اظہار بھی شامل ہو، لیکن چونکہ احساسات کی طرح اظہار کے ذریعے بھی متعدد ہیں اور ہر ذریعہ اظہار کو شعر کہنے میں وہی دشواری ہے جو ہر احساس کو شعر کہنے میں تھی۔ اس لیے شعر کے تعین کی غرض سے کوئی ایسا ذریعہ اظہار تسلیم کرنا پڑے گا جو شعور سے ناشی ہو اور دوسروں میں شعور پیدا کرے اور ظاہر ہے کہ یہ ذریعہ الفاظ و معانی یعنی کلام ہی کا ہے پھر چونکہ جنس کلام کا اطلاق اس کی ہر نوع پر ہوتا ہے یعنی جس نوع کو شعر فرض کیا جائے وہ بھی اور جس کو شعر فرض نہ کیا جائے وہ بھی دونوں برابر کلام ہیں اس لیے یہ تعریف بھی کہ شعر ایسا کلام ہے جس سے اظہار احساس ہو، کافی نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ کسی ایسی قید کی اور ضرورت ہوگی جس سے شعر کی صورت نوعیہ متعین ہوتی ہے۔ قافیہ بھی اس کی کمی پوری نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ قافیہ شعر کا زیور تو ضرور ہے لیکن نفس شعر میں داخل نہیں ہے اور یہ مسلم ہے کہ نہ قافیہ کے اضافے سے نثر پر شعر کا اطلاق درست ہوسکتا ہے، نہ قافیہ کی کمی سے شعر میں فرق آتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب تک کلام میں وزن تسلیم نہ کیا جائے گا، شعر کا مصداق سمجھ میں نہ آئے گا اور شعر کی سب سے زیادہ محکم اور جامع و مانع تعریف یہی ہوگی کہ کلام موزوں کو شعر کہا جائے)۔

وزن شعر کا جزو لاینفک ہے :- کسی قوم کی شاعری وزن کی قید سے خالی نہیں پائی جاتی۔ یہ بات ہے کہ زمین کے فاصلے زبانوں کے اختلاف اور زمانوں کے انقلاب سے شعر کی صورت مختلف نظر آئے اور ایک ملک کا شعر دوسرے ملک میں ناموزوں سمجھا جائے، مثلاً قدیم ہند کے علوم و فنون خاص کر مذہبی کتابوں کا وہ ذخیرہ جو نظم میں ہے اور جس کی سب سے پہلی اور بڑی کتاب "وید" ہے۔ اس کو پڑھ کر یا سن کر ایران وعرب میں کوئی موزوں نہیں کہہ سکتا، بلکہ خود ہندوستان کی موجودہ شاعری کے اصول اب اس سے مختلف ہوچکے ہیں۔ قدیم ایرانی شاعری کا وہ دفتر جو "گاتھا" اوستا" اور "ژند" کے اوراق میں دستیاب ہوا ہے، وہ موجودہ فارسی شاعری کے لحاظ سے بالکل ناموزوں نظر آتا ہے۔ حالانکہ ان کتابوں کا نظم ہونا مسلم ہے۔ اسی طرح عبرانی شاعری کے وہ نمونے جو "اناشید" اور مزامیر داود علیہ السلام" کی صورت میں موجود ہیں، ان کے نظم ہونے کا دعویٰ ان کے نام، ان کی ترتیب کلام اور تاریخی شہادت سے ثابت ہے۔ لیکن ان کو نہ موجودہ عروض عرب کی رو سے شعر کہہ سکتے ہیں نہ مغرب و مشرق کے کسی اور اصول شعر کے لحاظ ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے باوجودیکہ ہر ملک میں تناسب اعضاء کا نام ہی حسن ہے لیکن معیار تناسب میں ملک تو ملک ایک جگہ کے دو آدمیوں کا مکمل اتفاق بھی نہیں ہوتا۔ چین میں جس ناک نقشہ کو حسن کہا جاتا ہے، ہندوستان میں اس کو بدصورتی سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ ہمارا ہر روز کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص جس صورت کا دیوانہ ہے، دوسرے کو اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ وہ یہی کہتا ہے:

سودا جو ترا حال ہے ایسا تو نہیں وہ   کیا جانیے تو نے اسے کس حال میں دیکھا

اسی طرح شعر جو کلام متناسب کا نتیجہ ہے، اگر اس کا موجودہ معیار تناسب گذشتہ سے اور ہندوستان کا انگلستان سے پایا جائے تو یہ نہیں کہا جاسکتا زمانہ قدیم میں شعر نہ تھا، اور اگر تھا تو اس میں وزن نہ تھا۔ یا انگریزی شاعری جو ہمارے اصول سے مختلف ہے ناموزوں ہے۔

شعر کا ماخذ نغمہ ہے :- اس کے علاوہ یہ امر مسلم ہے کہ شعر کی فطرت میں نغمہ مضمر ہے اور چونکہ نغمہ کا دارومدار صرف آواز پر ہوتا ہے، اس لیے شعر اس توازن سے خالی نہیں ہوسکتا، بلکہ شعر کا وجود اصل نغمہ پر اسی طرح مبنی ہوتا ہے جس طرح لفظوں کا وجود آواز پر۔ انہی اوزان غنائی کے مطابق شعر کے اوزان بنتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں۔ انہی اوزان کے اختلاف کی وجہ سے کبھی کلام موزوں ناموزوں اور ناموزوں موزوں نظر آتا ہے مثلاً موجودہ اردو شاعری کا یہ اصول ہے کہ

شعر کے دونوں مصرعہ برابر ہوں لیکن انگریزی میں کبھی دونوں مصرعہ برابر ہوتے ہیں، کبھی ایک مصرعہ ایک انچ اور دوسرا مصرعہ سات انچ کا۔ اس کی مثال عربی شاعری میں بھی پائی جاتی ہے۔ جہاں یک رکنی دورکنی شعر بھی ہیں اور کئی کئی رکن کا ایک مصرعہ بھی۔ اس کو اردو کی شاعرانہ طبیعت موزوں نہیں سمجھتی۔ لیکن بہ حیثیت فن اس کی موزونیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

رفع اشتباہ:- ان سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ جن اجزاء سے شعر مرکب ہوتا ہے، ان میں سے الفاظ کا وزن ہی ایسا جزء ہے، جس سے کلام میں شعر اور غیر شعر کا امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ یہ شعر کا بیرونی پہلو ہے۔ دوسرے ہر حال اور ہر خیال جس سے جذبات انسانی کو تحریک ہو، شعر ہے۔ یہ شعر کا اندرونی پہلو ہے، جسکو عموماً شعریت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی سے ضمناً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شعر کے اجزائے ترکیبی جواب ہیں وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی تھے، بلکہ کم وبیش ہمیشہ انہی پر شعر کا انحصار رہا ہے۔ ان سے نفس شعر کا تعلق فطرت سے ہے اور اسکی صورت کا صنعت سے۔ فطرت کا کونسا راز ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف نہ ہوا ہو۔ لیکن صنعتیں بے شمار ہیں جن سے آپکو سروکار نہ تھا۔ من جملہ ان کے ایک صنعت شعری بھی ہے جس کا آپکو علم تو تھا، یعنی آپ کی طبیعت میں شعریت تو تھی، لیکن آپ شاعر نہ تھے۔ اور نہ یہ فن آپکے لائق تھا۔ اس لیے کہ اول تو الفاظ کی موزونیت ہو یا تخیل کی پرواز، فن شعر ہر حالت میں انسان کی کوشش اور صناعت سے متعلق ہے اور نبوت انسانی کوشش سے بالاتر مرتبہ ہے، جسکی اصل فطرت حق ہے۔ ایسی صورت میں اگر آپ شاعر ہوتے اور دین فطرت صنعت کا لباس پہن لیتا تو دنیا کی نظر میں وہ بھی مصنوعی بن کر رہ جاتا۔ پھر یہ بھی کہ شعر کا مقصد تحریک جذبات ہے اور نبوت کا منشاء تہذیب جذبات، اگر آپؐ کا دستورالعمل موعظت وحکمت کے بجائے شعر وشاعری ہوتا یعنی آپ کا پیغام صرف محرک جذبات ہوتا، مفید تعقل نہ ہوتا تو اصلاح نفس اور احقاق حق کا نتیجہ برآمد نہ ہوتا، جسکی صراحت قرآن کریم میں آپ کی ذات سے شعر کی نفی فرماکر ان لفظوں میں کی گئی ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ تو ذکر حق اور قرآن یعنی نصاب دین ہے تاکہ ہر ایسے شخص کو ڈرائیں جس کا دل زندہ ہو اور جو منکر ہوں، ان پر حق ثابت ہوجائے۔ تیسرے آپ کا منصب صرف یہ تھا کہ جو احکام آپ پر نازل ہوں وہ بعینہ لوگوں کو پہنچادیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کہیں۔ جیسا کہ شاعروں کا طریقہ ہوتا ہے۔ اگر آپ شاعر ہوتے تو قرآن کو بھی انسانی خیالات اور حسن تفکر کا نتیجہ سمجھ لیا جاتا۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا تھا۔ تو بھی آپ کا شاعر ہونا کس کام آتا۔ جبکہ قرآن کے علاوہ بھی احکام دین میں آپکے تخیل یا تفکر اور جذبات کا

بالکل دخل نہ تھا، بلکہ آپ صرف وہی بات فرماتے تھے جو بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہوتی تھی، جسکی وضاحت قرآن میں اس طرح فرمائی گئی: " وما ینطق عن الھوی ٥ ان ھو الاوحی یوحی ٥ " اسی لیے فن شعر آپ کے کسی کام کا نہ تھا۔

لیکن اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کے لائق نہ ہونے کی وجہ سے فن شعر سرے سے معیوب ہوجائے اور کسی کو بھی شعر کہنا جائز نہ ہو، اس لیے کہ اول تو یہ ضروری نہیں کہ جو امر آپ کے لیے مناسب نہ ہو وہ کسی کے لیے بھی مناسب نہ ہو، یا جو بات آپ کو روا ہو وہ سب کے لیے روا سمجھی جائے، مثلاً آپ کسی کے شاگرد نہ تھے، نہ کسی کی شاگردی آپ کو زیبا تھی، تو اس کا نتیجہ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کا شاگرد ہونا کسی کو زیبا نہ ہو۔ اس لیے آپ تو براہ راست سرچشمہ علم سے فیضیاب ہوتے تھے۔ اس لیے آپ کو کسی کی شاگردی نہ ضروری تھی نہ مناسب۔ لیکن جو لوگ اس مرتبہ پر فائز نہیں ہوتے ان کو اکتساب علم کے لیے کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہوگا۔ اس لیے کہ اکتساب کی ہدایت قرآن وحدیث میں موجود ہے، اسی طرح اگر حامل وحی ہونے کی وجہ سے آپ کے لیے شاعری مناسب نہ تھی، تو جن پر وحی نہ آتی ہو ان کے لیے یہ فن نازیبایابیکار نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس کی اجازت موجود ہے۔ پھر شعر کو فی نفسہ معیوب، موجب غوایت یا منافی ہدایت کس طرح کہاجاسکتا ہے، بلکہ اس جہت سے تو سرکار دوعالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعر کو ایسا نوازا کہ قرآن کریم میں شعر کی ذاتی صلاحیت کی بناء پر اس فن کا اچھایا برا استعمال کرنے والوں کی جو اصولی تقسیم کی گئی تھی، اسکی وضاحت اس طرح فرمائی کہ ان من الشعر لحکمۃ یعنی ہر شعر موجب غوایت نہیں بلکہ بعض شعر سراسر حکمت بھی ہوتے ہیں، تاکہ شعر کے فی نفسہ معیوب ہونے کا اندیشہ یا شبہ ہی نہ رہے۔

شعر اور حکمت:- حکمت دراصل قول وفعل کی راستی کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً نفس انسانی کا علم وعمل میں امکانی کمال حاصل کرنا اور جو مختلف قوتیں فطرت نے اس کو دی ہیں، ان کو اعتدال کے ساتھ عمل میں لانا حکمت ہے۔ لیکن چونکہ صحیح اعتدال مزاج کا ہر شخص کو علم نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ وہ مرتبہ کمال ہے جس پر حضرات انبیاء علیھم السلام تائیدالٰہی سے فائز ہوتے ہیں، اس لیے حکیم کامل دراصل نبی ہوتا ہے۔ جس کا منصب یہ ہوتا ہے کہ جو ہر نفس کی ایسی حفاظت کرے جس سے اس کی جملہ قوتوں میں خواہ وہ نظری ہوں یا عملی افراط وتفریط سے خلل نہ واقع ہو، بلکہ ہر قوت دوسری قوت کی اس طرح مددکرتی رہے کہ ان کے باہمی امتزاج سے نفس میں وہ کیفیت

متوسط پیدا ہوجائے جس کو عدالت کہتے ہیں اور جس پر نفس کی صحت کا دارومدار ہے اور اگر صحت نفس میں فرق آئے تو وہ اس کو بحال کرنے کی تدبیر کرسکے اور اس طرح اس جوہر شریف کو شریف سے شریف تر بناکر خلافت الٰہیٰ اور حیات ابدی کا مستحق بنادے ۔ اس مقصد یعنی صحیح اعتدال مزاج کے قائم رکھنے یا حاصل کرنے کے لیے حکیم کامل جو اصول تجویز کرتا ہے ان کا ضمنی نتیجہ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ نفس کے بعض خاصوں یا ان کے عواطف میں جن کو جذبات یا واردات قلب سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ ایک قسم کی غیر معتدل حرکت یا سکون پیدا ہوجائے جو دراصل شاعر کا نصب العین ہوتا ہے یعنی جس طرح حکمت کا اصل منشاء تہذیب قوائے انسانی ہے اور اس کے احکام سے ضمناً بعض جذبات کا برانگیختہ ہونا اور بعض کا افسردہ ہونا ممکن ہے ۔ اسی طرح اگرچہ شعر کا مطمح نظر جذبات انسانی کو مشتعل یا مضمحل کرنا ہوتا ہے ، لیکن ضمناً اس سے اصلاح نفس کا نتیجہ بھی برآمد ہوتا رہتا ہے ۔ شعر کا یہی پہلو ہے جس کو دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شریک حکمت ہونے کی سند ملی ہے ۔ اگر شعر کی اس فطری صلاحیت میں شاعر کا ارادہ بھی شامل ہوجائے تو ایسا شاعر " الشاعر تلامیذالرحمن " کا مصداق ہوجاتا ہے ۔

پردۂ رازے کہ سخن پروریست   سایہ از پردہ پیغمبر یست

اسی وجہ سے دربار رسالت میں شعراء کی وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی فرمائی جاتی تھی ۔

آپ ؐ کا ذوق سخن :- جس طرح یہ مسلّم ہے کہ آپ نے کبھی شعر نہیں کہا ، نہ شعر کہنا آپ کو زیبا تھا ۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو شاعرانہ کلام سے دل چسپی تھی ، شعر سنتے تھے ، شعر پر تنقید فرماتے تھے ، شعراء کی حوصلہ افزائی کے لیے مناسب دادوانعام دیتے تھے ۔ آپ کی خدمت میں جمع ہوکر شعراء مشاعرے کرتے تھے اور کبھی کبھی زبان مبارک سے ایسے کلمات ادا ہوتے جو شعر سے مشابہ ہوتے ۔ کبھی کبھی کسی شاعر کا کلام بھی آپ کی زبان پر آجاتا تھا ، چنانچہ شمائل ترمذی میں " صفة كلام رسول الله فى الشعر " کے عنوان سے ایک باب اسی قسم کی احادیث کا ہے جس میں سے چند نمونے یہ ہیں :

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثال دینے کیلئے اکثر ابن رواحہ کے شعر پڑھتے تھے ۔ ایک مرتبہ آپ ؐ نے فرمایا " شعرائے عرب میں لبید نے کیا ہی بہتر (اشعر كلمة) کہا ہے : " الاكل شئى ما خلا الله باطل " ایک مرتبہ پتھر کی چوٹ سے حضرت ؐ کی ایک انگلی زخمی ہوگئی اور خون بہہ نکلا آپ نے فرمایا :

هل انت الا اصبع دميت وفی سبيل الله مالقيت

فتح مکہ کے بعد بنی ہوازن اور بنی ثقیف وغیرہ آس پاس کے چند قبائل جمع ہوکر چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر امن کی بے خبری کی حالت میں حملہ کردیں ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی ۔ آپ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت لے کر ان کے مقابلہ کےلئے بڑھے ۔ فریقین کے دلوں کی یہ حالت تھی کہ ایک طرف مسلمانوں کو اگرچہ اپنی جمعیت پر ناز تھا ، لیکن یہ بھی مانے ہوئے تھے کہ اہل ہوازن کے تیر خطا نہیں کرتے ۔ دوسری طرف اہل ہوازن کو اپنی تیراندازی پر ناز تو تھا مگر یہ بھی اندیشہ تھا کہ عبدالمطلب کا وہ خواب اسی وقت صحیح نہ ہوجائے کہ رسول اللہ آخر کار ہم پر غالب آجائیں گے ۔ بہرحال دونوں طرف کے ان امید وبیم کے جذبات کے ساتھ مقابلہ ہوا ۔ بنی ہوازن نے اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے ۔ صورت حال کا اندازہ لگاکر حضور پاک اپنی فوج کو جمع کرتے جاتے تھے اور آگے بڑھتے ہوئے فرماتے تھے :

انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب

یہ سن کر ایک طرف تو مسلمانوں کو جوش آیا کہ جب نبی برحق ہمارے ساتھ ہیں پھر ہم کو کیا خطرہ ہے ۔ دوسری طرف کفار کا دل ہل گیا کہ عبدالمطلب کے خواب کے پورا ہونے کا وقت آگیا اور ابن عبدالمطلب ہمارے سر پر آن پہنچا غرض زبان مبارک سے جو کلمات نکلے وہ دونوں طرف کے دلوں میں پیوست ہوگئے اور لڑائی کا نقشہ فوراً بدل گیا ۔

عمرۃ القضا کے سال آپ مکہ تشریف لائے جس وقت حرم میں داخل ہوئے تو ابن رواحہ آگے چلتے اور شعر پڑھتے جاتے تھے ۔ حضرت عمر نے کہا " ابن رواحہ تم حرم میں شعر پڑھتے ہو اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے " آپ نے فرمایا " عمر ! اسے چھوڑ دو ! واقعی ان لوگوں میں شعر پڑھنا تیر برسانے سے زیادہ کارگر ہوتا ہے ۔ آپ کے سامنے صحابہ آپس میں شعر پڑھتے اور جاہلیت کی بعض باتوں کا تذکرہ کرتے تو کبھی آپ چپ رہتے کبھی مسکراتے ۔ عمر بن شرید کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے سنا وہ کہتے تھے ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر بیٹھ کر کہیں گیا اور امیہ بن ابی الصلت کے سو شعر آپ کو سنائے ۔ جب کوئی شعر پڑھتا آپ فرماتے ہاں ! (اور سناؤ) یہاں تک کہ میں نے سو شعر سنائے ۔ آپ نے فرمایا " قریب تھا کہ امیہ مسلمان ہوجاتا ۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں : کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت کے لیے مسجد میں منبر بچھواتے جس پر حضرت حسان کھڑے ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم پر فخر کرتے اور جو آپ پر اعتراض ہوتے، ان کا جواب دیتے۔ آپ ارشاد فرماتے کہ جب تک حسان ؓ کافروں کا اس طرح مقابلہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ روح القدس کے ذریعے ان کی مدد کرتا ہے۔ ان کے علاوہ شعر و شاعری کی نسبت اور احادیث بھی پائی جاتی ہیں، جیسے یہ واقعہ کہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں سب سے پہلا کام جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی۔ مزدوروں کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے۔ عبداللہ بن رواحہ جو شاعر تھے، وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

افلح من يعالج المساجدا

ويقرء القرآن قائما وقاعدا

ولا يبيت الليل عنه راقدا

وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات کو جاگتا رہتا ہے)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔" اسی سلسلے کا ایک دوسرا واقعہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نقل کیا گیا ہے۔ مسجد کی تعمیر جاری ہے۔ حضور ؐ (فداہ ابی وامی وروحی) مزدوروں کے ساتھ شریک مشقت ہیں۔ صحابہ ؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے ہیں اور رجز پڑھتے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے ہیں اور فرماتے ہیں: " اللهم لاخير الا خير الاخرة فاغفر الانصار والمهاجرة "

(اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے۔ اے خدا! مہاجرین اور انصار کو بخش دے، بخش دے)۔ یہ وہ اسباب تھے جن سے شاعری کا نیا دور شروع ہوا۔ اور جنکی وجہ سے ابتک دنیائے ادب میں اسلامی شاعری کا ڈنکا بج رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر الصدیق، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن زہیر، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور بہت سے صحابہ کرام ؓ اور صحابیات رضی اللہ اللہ تعالیٰ عنھم اور اکابرین امت ؒ نے شعر کہے، جن میں سے دور اولیں میں حضرت علی ؓ کا دیوان، حضرت حسان بن ثابت ؓ کے بہت سے اشعار حضرت کعب بن زہیر کا قصیدہ "بانت سعاد" جس پر حضور اکرم ؐ نے اپنی چادر (بردہ) انعام میں مرحمت فرمائی تھی۔ کافی مشہور ہیں۔ حضرت امام زین العابدین ؓ کا وہ قصیدہ تو زبان زد خاص وعام ہے جس کا مطلع ہے۔

ان نلت ياريح الصبا يوماً الى ارض الحرم

بلغ سلامى روضةً فيها النبى المحترم

(اے باد صبا! اگر کسی دن حرم کی طرف تیرا گذر ہوجائے تو روضۂ مبارک تک میرا سلام پہنچادینا، جہاں نبی محترم علیہ الصلوۃ والسلام استراحت فرماتے ہیں)۔

کتب عربی:-

(۱). الامام محمد اسماعیل بخاری الجامع للبخاری مطابع الشعب قاہرہ ۱۳۷۸ھ
(۲). امام مسلم الصحیح لمسلم مطابع الشعب قاہرہ ۱۳۷۹ھ
(۳). امام ابوعیسیٰ ترمذی شمائل ترمذی
(۴). علامہ ابن خلدون مقدمہ ابن خلدون
(۵). حماد الراویہ المعلقات السبع دارصادر بیروت ۱۹۵۸ء
(۶). اسیرادروی المقدمہ لشرح دیوان المتنبی مکتبہ حسینیہ دیوبند ۱۹۸۳ء
(۷). سید محمد رابع الحسنی الندوی منثورات من ادب العرب ندوۃ العلماء لکھنو ۱۴۱۱ھ
(۸). عبداللطیف حمزہ ادب المقالۃ الصحفیۃ فی مصر دارامعارف مصر
(۹). ابن قتیبہ الشعروالشعراء (مرتبہ احمد محمد شاکر) مصر
(۱۰). ڈاکٹر غنیمی الھلال النقد الادبی الحدیث بیروت
(۱۱). محمد ابوالفضل ابراھیم دیوان امراء القیس دار معارف مصر

اردو کتب:-

(۱). علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
(۲) مولانا ابوالحسن علی الندوی رسول رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) مکتبہ تحقیق ونشریات اسلام، لکھنو
(۳). سید جہانگیر گیلانی شعر چیست؟ مکتبہ مجیدیہ، ملتان ۱۹۵۰ء
(۴). علامہ شبلی نعمانی شعرالعجم
(۵). محمد رفیع سودا کلیات سودا ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۸۵ ۔ ۱۹۸۴ء
(۶). شمس بریلوی سرورکائنات کی فصاحت
(۷). مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی۔ شعر الہند (جلداول) مکتبہ معارف، اعظم گڑھ ۱۹۸۷ء
(۸). اکبرشاہ خاں نجیب آبادی تاریخ اسلام مکتبہ نعیمیہ دیوبند
(۹). مظفر علی اسیر زرکامل عیار (ترجمہ) معیارالاشعار از نصرالدین محقق طوسی، اترپردیش،

اردو اکادمی لکھنؤ ، ۱۹۸۳ء

(۱۰) مسعود حسن رضوی ادیب ہماری شاعری کتاب نگر ، لکھنؤ ۱۹۸۷ء

(۱۱) وئیس احمد نعمانی فکر ونظر (آج کی ایرانی شاعری) ج : ۲۳ ، شمارہ ۲ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۱۲) استاذ احمد حسن زیات (ترجمہ اردو) تاریخ ادب عربی ، ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی ،

الیوان کمپنی ، الہ آباد ، ۱۹۸۵ء

آیات واحادیث کے اردو ترجمے :-

(۱) انا الایۃ " (اے پیغمبرؐ) ہم نے آپ کو (حوض) کوثر عطا کیا ہے۔ تو آپ اپنے رب کے لیے ہی نماز پڑھیں اور قربانی کریں " الکوثر (۱۰۸ ، ۱ ، ۲ ، ۳)

(۲) یہ کسی آدمی کا کلام نہیں ۔ یہ جملہ سبعہ معلقہ میں شامل ایک شاعر کا ہے ۔ لطف یہ ہے کہ اس جملے کے اوزان اور ترتیب الفاظ قرآن سے بہت کچھ مناسبت ہے اور فصاحت کلام کا بہترین نمونہ ہے مگر عربی داں واقف ہیں کہ اعجاز بلاغت میں یہ جملہ بھی قرآن کے ان جملوں کے کہیں پاسنگ نہیں۔

(۳) " اور ہم نے انہیں (پیغمبرؐ کو) شعر کا علم نہیں دیا اور نہ وہ آپ (کی شان) کے مناسب ہے۔ وہ تو محض ایک نصیحت اور ایک آسمانی کتاب ہے ، جو احکام کو ظاہر کرنے والی ہے ، تاکہ ایسے شخص کو ڈرادے جو زندہ ہو ، اور تاکہ کافروں پر عذاب کی) حجت ثابت ہوجائے " (یٰس : ۳۶ : ۶۹ : ۷۰)

(۴) " اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ ہی چلا کرتے ہیں (اے مخاطب) کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہ (شاعر لوگ) تو (خیالی مضمون) کے ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ۔ ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور انہوں نے اپنے شعار میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انہوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوچکا ہے (اس کا) بدلہ لیا اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ جنہوں نے (حقوق اللہ وغیرہ میں) ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے " الشعراء ۲۶ : ۲۲۴ ، ۲۲۵ ، ۲۲۶ ، ۲۲۷ ۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے تفسیری حاشیئے میں ان موقعہ پر لکھتے ہیں " مراد راہ سے شعر گوئی ہے ۔ یعنی مضامین خیالی شاعرانہ نثراً یا نظماً کہنا ان لوگوں کا شیوہ ہے جو مسلک تحقیق سے دور ہوں ، چنانچہ خیالی مضمون کہتے ہی اس کو ہیں جو تحقیق کے خلاف ہو " (مولانا اشرف علی تھانوی ، ترجمہ قرآن وتفسیری حاشیہ ، بیان القرآن " ص : ۳۴۰ ، مطبع تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور ۔ (۵) " اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں ، ان کا ارشاد ایزدی وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے " النجم ، ۵۳ : ۳ ، ۴ ۔

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مئی ، جون ۱۹۹۷ء

جناب عبدالماجد صاحب
لیکچرار گورنمنٹ کالج مانسہرہ

مسلم اسپین کا انسانی تہذیب میں کردار

تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دنیا کی تہذیب وتمدن کی ترقی میں اسلام کے پیروں نے جتنا اہم کردار ادا کیا ہے وہ شاید ہی کسی اور قوم نے ادا کیا ہو۔ قرآن حکیم کی آیات بینات اور پیغمبر انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے مسلمانوں کے اندر تحقیق و تفحص کی خوابیدہ صلاحیتوں کو نہ صرف بیدار کیا بلکہ انہیں ابھار کر ایک نیا رنگ دیا اور وہ ایک قلیل عرصے میں انتہائی سرعت اور برق رفتاری کے ساتھ پوری دنیا پر چھا گئے اور رومی، ایرانی، سریانی، ھندی اور یونانی علوم اور ثقافتوں کے مالک بن بیٹھے۔ مسلمانوں نے ۷۱۱ء (۹۲ھ) میں ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں موسیٰ بن نصیر کے حکم سے طارق بن زیاد کے زیر کمان اسپین کو فتح کر کے وہاں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ ان سے پہلے وہاں گاتھ (قوطی) خاندان کا عیسائی راڈرک (Roderic) حکمران تھا۔ (۱)

مسلمانوں کی آمد سے قبل دنیا کی حالت:- مسلمانوں کی آمد سے قبل پوری غیر مسلم دنیا کی طرح اسپین کی حالت بھی انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ وہ غیر معمولی طور پر ظلمات کے دھندلکوں میں پھنسا ہوا تھا۔ دنیا میں تہذیب وتمدن کا نام ونشان تک نہ تھا۔ طہارت وصفائی کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ زراعت وتجارت، صنعت وحرفت اور دوسرے شعبہ ہائے حیات روبزوال تھے اور بقول ایک مغربی مورخ: "اسوقت یورپ کے باشندوں میں وحشت وبربریت عام تھی۔ انکی نسبت بڑی مشکل سے کہا جاسکتا تھا کہ وہ اس وحشیانہ حالت سے باہر نکلیں گے۔ یہ لوگ جنگلوں میں جھونپڑے بناکر رہتے تھے۔ برے حالوں لوبیا، باقلا اور پیڑوں کی چھال (Barks of trees) کھاکر گذارہ کرتے تھے" (۲)

ڈنمارک کے بارے میں ایک مسلم مورخ قزوینی لکھتے ہیں: "ڈنمارک کے لوگ بالکل وحشی ہیں۔ ننگے رہتے ہیں اور چمڑے کے ٹکڑوں سے ستر پوشی کرتے ہیں" ۔ (۳) ۔ پیرس اور لندن کے بارے میں ثروت صولت رقم طراز ہیں: " پیرس اور لندن میں لکڑی اور بانس کے گھر بنائے جاتے تھے جن کو مٹی اور بھوسے سے لیپ دیا جاتا تھا۔ لوگ بستر سے ناواقف تھے۔ بھوسا اور پیال بستر کا کام

دیتا تھا۔ جانوروں کی اوجڑی، آنتیں اور کوڑاکرکٹ گھروں کے سامنے لاکر ڈال دیتے تھے "۔ (۴)
(یعنی صفائی کا کوئی انتظام نہیں تھا)۔ جب لوگوں کے تہذیب وتمدن کی یہ حالت تھی تو ظاہر ہے علم سے انکو دور کا واسطہ بھی نہیں ہوسکتا۔ یورپ میں اس زمانے میں اس قدر جہالت تھی کہ جو کوئی ریاضی، علم ھئیت، کیمیا، طب یا سائنس کے مسائل حل کرتا تھا تو لوگ اسے جادوگر قرار دیتے تھے۔ پوپ سلویٹر اور مائکل اسکاٹ کی طرح ایک اور انگریز فلسفی اور مصنف راجر بیکن (۱۲۱۴ء۔ ۱۲۹۴ء) پر بھی یہی الزام تھا۔ اس نے عربی کتابیں پڑھنے کے بعد جو کتابیں لکھیں انکی مخالفت کی گئی اور دس سال تک وہ پیرس میں مقید رہا۔ (۵)

مسلمانوں کی آمد:- یورپ بلکہ مغربی دنیا کے اس تاریک دور (Dark Period) میں مسلمان پوری دنیا کی طرح اسپین میں بھی قدم رکھتے ہیں اور اسپین کے راستے یورپ اور دیگر ممالک کو اسلامی تہذیب وتمدن کی روشنی سے منور کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے:-

نیک اگر بینی ایں مسلماں زادہ است ایں گہراز دست ما افتادہ است
دانہ آں صحرانشیناں کاشتند حاصلش افرنگیاں برداشتند (اقبال)

اسپین کے مسلمانوں نے تہذیب کے مختلف شعبوں (Variousfields) میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ اپنے تو درکنار غیر بھی اعتراف کرتے ہیں (والفضل ماشھدت بہ الاعداء) فلپ کے حتی (P . K. Hitti) اپنی کتاب میں لکھتا ہے: "مسلم اسپین قرون وسطیٰ میں یورپ کی ذہنی ارتقاء کی تاریخ بنانے میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ آٹھویں اور تیرہویں صدی کے درمیان، عربی بولنے والے ہی پوری دنیا میں تہذیب وتمدن کے مشعل بردار رہے ہیں۔ مزید براں وہی قدیم سائنس اور فلسفے کی بازیافت کا واسطہ بھی بنے۔ پھر ان علوم میں اضافہ کرکے انہیں اس طور پر منتقل کیا کہ (انہی کے باعث) مغربی یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) ممکن ہوسکی۔ اس پورے عمل میں عربی اسپین کا بہت نمایاں حصہ ہے"۔ (۶)

مختلف شعبوں میں ترقی:- اسپین کے مسلمانوں نے زراعت، تجارت، فن تعمیر، صنعت وحرفت، جہازرانی کی صنعت، حیاتیات، طب، کیمیا، علوم طبیعی **فلکیات**، فلسفہ، ھندسہ، جبرومقابلہ، صرف ونحو، تاریخ واصول تاریخ اور فنون جمیلہ وفنون لطیفہ کی نہ صرف بنیاد رکھی بلکہ انہیں اوج کمال تک پہنچایا۔ طوالت کے خوف سے چند شعبوں کا "نمونہ مشت ازخروارے" کے مصداق ذکر کیا جاتا ہے۔

زراعت و تجارت :- عرب چونکہ زراعت و تجارت کے اصولوں سے واقف تھے اسی بنا پر انہوں نے ان اصولوں سے کام لے کر اندلس کے شہروں کو گل وگلزار بنادیا۔ ایک شہر کو دوسرے سے تجارتی تعلقات کے ذریعے اس طرح مربوط کردیا کہ رفاھیت اور خوشحالی عام ہوگئی۔ بلنسیہ اور غرناطہ (Now Granada) کی بنجر زمینوں کی سیرابی (Irrigation) کا ایک نیا نظام (System) قائم کیا اور دریائے طونہ پر عجیب طرح کا ڈیم بناکر نہروں کا جال بچھا دیا۔ مسلمانوں نے فن زراعت کو اس حد تک ترقی دی کہ سال بھر میں ایک دن کےلئے بھی زمین خالی نہیں رہتی تھی۔ ایک فصل کاٹنے کے بعد فوراً دوسری فصل کی تخم پاشی (Sowsing & Seceding) کردیتے تھے اس طرح سال میں تین فصلیں کاٹتے تھے۔ اندلس میں مختلف ماہرین زراعت اور ماہرین نباتات (Bolanists) پیدا ہوئے جنہوں نے زراعت کو جدید خطوط پر استوار کیا۔ ابن بیطار اور ابن عوام کے نام ان میں سرفہرست ہیں۔ اسلامی اندلس کے باشندوں ہی کے ذریعے مختلف فصلیں، سبزیاں اور خوشبودار پودے (Odori ferious plants) یورپ تک پہنچے۔ (۷)

جہازسازی :- دنیا میں جہاز بنانے کی سب سے پہلی کوشش اسلامی اندلس ھی کے سائنسدان عباس ابن فرناس نے کی۔ اس کا ہوائی جہاز تھوڑی بلندی تک اڑا تھا مگر پھر گر گیا۔ ابن فرناس بڑا ذہین سائنسدان تھا اس نے اپنے گھر میں ایک مصنوعی آسمان بھی بنایا تھا جس میں سورج، چاند اور ستارے بنائے گئے تھے۔ اس نے پتھر سے شیشہ سازی کی صنعت ایجاد کی اور وقت معلوم کرنے کا ایک آلہ بھی بنایا تھا۔ (۸)

فن تعمیر اور آبادی بلاد :- اسپین کے جس حصہ پر مسلمان آباد تھے وہ چھ صوبوں، اسی بڑے بڑے شہروں، تین سونسبتاً چھوٹے چھوٹے شہروں، بےشمار قریوں اور دیہاتوں پر مشتمل تھا۔ صرف ایک قرطبہ (عروس البلاد) میں دولاکھ گھر، سات ہزار محل (ہر ایک محل کے ساتھ بڑا باغ)، چھ سو مسجدیں، پچاس شفاخانے، اسی پبلک سکول کالج، نو سو حمام (بعض کتابوں میں سات سو کی تعداد آئی ہے) اور اسی ۸۰ ہزار دوکانیں تھیں۔ آبادی دس لاکھ تھی +۔ سڑکیں پختہ تھیں۔ گندے پانی کے نکاس کیلئے زمین دوزنالیاں (Under Groudnd DrainageSystem) تھیں۔ چوراہوں پر فوارے لگے ہوتے تھے۔ رات کے وقت راستوں پر روشنیاں ہوتی تھیں۔ مکانوں اور سڑکوں کی روشنیوں کی کثرت کی وجہ سے راتوں کو لوگ دس دس، پندرہ پندرہ میل تک راستہ چلتے تھے۔

+ اس وقت قرطبہ کی آبادی تین لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

پوری دنیا میں سوائے بغداد کوئی شہر قرطبہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ قرطبہ تو قرطبہ، یورپ میں کوئی شہر اشبیلیہ، بلنسیہ، غرناطہ اور سرقطہ کے برابر بھی نہیں تھا۔ اس زمانے کے لندن اور پیرس ذرا ذرا سے شہر تھے۔ انکی سڑکیں کچی ہوتی تھیں۔ گندہ پانی سڑکوں پر بہتا تھا۔ لوگ کھڑکیوں میں شیشے کی جگہ کاغذ کو تیل میں ڈبوکر لگاتے تھے کہ شفاف (Trans parent) ہوجائے۔ مسجد قرطبہ (۹)، قصرالزہرا (۱۰)، الحمرا (۱۱) کا قلعہ مسلمانوں کی فن تعمیر کی عظمت کا ثبوت تھے۔

صنعت وحرفت :- اس میدان میں بھی اندلس کے مسلمان سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ دارالسلطنت قرطبہ اور کئی دوسرے شہروں میں کپڑے بننے کے کارخانے قائم تھے جہاں سوتی، اونی اور ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے۔ جو خلیفہ اور دیگر لوگوں کے استعمال کے علاوہ دوسرے ملکوں کو بھی بھیجے جاتے تھے۔ المریہ ریشم سازی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ وہاں ریشم سازی کے آٹھ کارخانے تھے۔ قالین سازی اور بارش سے بچاؤ کے لئے کوٹ بھی تیار کیے جاتے تھے۔ چمڑے کی صنعت بڑے پیمانے پر جاری تھی۔ فرانس میں چمڑے کی دباغت اور گل کاری کافن اسپین سے منتقل ہوا تھا۔ ان دونوں ملکوں سے یہ فن پھر فرانس اور انگلستان والوں نے سیکھا۔

احترام آدمیت :- مسلمانوں نے مختلف علوم وفنون میں ترقی کے علاوہ وہاں کے مقامی باشندوں کے ساتھ انتہائی درجے کا اعلیٰ سلوک کیا۔ ان کے مذہب سے کبھی تعرض نہ کیا انہیں جبراً مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی۔ اسی طرح بلاتفریق رنگ، نسل اور زبان کے تمام لوگوں کو علوم وفنون سے بہرہ ور کیا اس معاملے میں غلام وآقا کی تمیز نہیں تھی کیونکہ وہ ایسی تہذیب رکھتے تھے جو کہ

ع اصل تہذیب احترام ادمیت است کے مصداق تھی۔

علمی وثقافتی ترقی :- اس زمانے میں یورپ میں چند پادریوں اور چند امراء کے سوا کوئی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ یہی حال ہندوستان اور دیگر ممالک کا تھا لیکن مسلمانوں کی بدولت اندلس کے تقریباً ہر آدمی کو پڑھنا لکھنا آتا تھا۔ (۱۲)۔ یہ اسلام کی مثبت اور انقلابی دعوت فکر ہی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی عہد میں اقوام عالم کے علمی وفکری سرمائے کو اکھٹا کرکے اسکا ترجمہ کیا گیا اور اسکی تہذیب وتدوین کی گئی۔ اور پھر انہی علوم میں غوروخوض کرکے نئی راہیں نکالیں اور علم کیمیا، طبیعات، فلکیات، ارضیات، طب، حیاتیات، علم ہندسہ اور ریاضی وغیرہ جدید علوم وفنون کو ترقی دی۔ اس زمانے میں فرانس کے بادشاہ کے کتب خانے میں صرف چھ سات سو کتابیں تھیں اسکے برعکس قرطبہ میں بے شمار لوگوں کے پاس ذاتی کتب خانے تھے جن میں ہزاروں کتابیں تھیں اور شاہی کتب خانے

میں (الحکم کے دور میں) چار لاکھ کتابیں تھیں۔ (۱۳)

تاریخ وفلسفہ :- تاریخ وفلسفہ میں مسلمانوں کے اندلسی دور کی خدمات سب سے آگے ہیں۔ اندلس کی چار شخصیتوں نے تو علم تاریخ اور فلسفے کے میدان میں زبردست شہرت پائی۔ علامہ ابن خلدون کو فلسفہ تاریخ اور عمرانیات میں آج بھی دنیا اپنا امام تسلیم کرتی ہے۔ ان کا مقدمہ تاریخ اور تاریخ ابن خلدون بہت مشہور ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی تصوف اور فلسفے کے امام ہیں۔ علامہ ابن حزم نے سو سے زیادہ کتابیں تفسیر قرآن، حدیث اور مذاہب عالم پر لکھیں۔ اسی طرح علامہ ابن رشد کو آج بھی پورا یورپ ارسطو کے فلسفے کا مجدد اور امام مانتا ہے۔ آج یورپ میں پایا جانے والا "REALISM" ابن رشد کی تعلیمات سے اخذ کیا گیا ہے۔ (۱۴)۔ ان کی کتابوں کے تراجم تین سو سال تک یورپ کی درسگاہوں میں پڑھائے جاتے رہے۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں احیائے علوم اور اصلاح کلیسا (یعنی Protestant) کی تحریکیں ابن رشد کے فلسفے سے ظہور میں آئیں۔ (یورپ میں) (۱۵)۔ علاوہ ازیں دوسرے علوم وفنون میں اندلس نے کئی یکتائے زمانہ افراد پیدا کیے انہیں میں علامہ ابن البر (مؤرخ، مفسرو محدث)، ابن حیان (مؤرخ) ادریسی اور ابن بطوطہ (جغرافیہ دان اور سیاح)، علامہ ابن طفیل (فلسفہ) زہراوی اور ابن زہر (طبیب اور جراح)، خطیب (ادیب) اور ابن زیدون (شاعر) جیسے لوگ شامل ہیں۔ زھروی نے فن جراحت (Surgery) کو کمال تک پہنچایا اور اس فن میں ایک کتاب "التصریف" بھی لکھی جواب بھی موجود ہے۔ یورپ میں فن جراحت (Surgery) کا آغاز اسی کتاب کے ذریعے ہوا۔ (۱۶)۔ اندلسی مسلمانوں کی یہی وہ مختلف علوم وفنون میں ترقی تھی جو کہ یورپ بلکہ تمام دنیا کی تہذیب وتمدن کا باعث بنی اور بقول حتی

"عربوں نے قدیم ثقافت کو قرون وسطیٰ کے یورپ تک پہنچانے میں ایک درمیانی واسطے کا کردار ادا کیا یہ انکے ذہنی اثرات ہی کا نتیجہ تھا جو مغربی دنیا کی بیداری کا باعث بنا اور بالآخر موجودہ نشاۃ ثانیہ کے لئے راہ ہموار ہوئی۔ قرون وسطیٰ میں کوئی قوم عربوں اور عربی بولنے والی قوموں سے بڑھکر انسانی ترقیوں کیلئے معاون ومددگار نہیں بن سکی"۔ (۱۷) اور موسیو گارسٹن کے مطابق (فرانسیسی مستشرق) "(اندلسی) مسلمانوں ہی نے دنیا کی علمی وعمرانی ترقی کےلئے ہر قسم کے ذرائع یورپ کو بہم پہنچائے۔ اگرچہ ہم میں سے کوئی بھی اس کا اعتراف نہ کرے مگر امر واقعی یہی ہے" (۱۸)۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے — یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

اسپین میں مسلمانوں کا زوال :- تقریباً آٹھ سو سال (۷۱۱ — ۱۴۹۱ء) مسلمان اندلس میں

تہذیب وتمدن کی اعلیٰ پائے کی ترقی کے بعد تنزل کا شکار ہوگئے اور وہ تنزل کوئی خارجی (اسباب کی وجہ سے) نہیں تھا بلکہ داخلی (Internal) تھا۔ آپس کا افتراق وتشت ، خانہ جنگی اور " شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر" کے مصداق عیش پرستی اور لذت کوشی مسلمانوں کو لے ڈوبی گویا

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مسلمانوں کے تنزل کے بارے میں اسپین کے آخری فرمانروا ابوعبداللہ کا ایک جملہ بڑا عبرت اموز ہے جو اس نے الحمرا سے نکلتے وقت عیسائیوں کو چابیاں سپرد کرتے ہوئے کہا تھا کہ " جاؤ اور اب ان قلعوں پر قبضہ کرلو جن کو اللہ تعالیٰ نے ہماری بداعمالیوں کے باعث ہمارے قبضے سے نکال تمھارے قبضے میں دے دیا ہے " (۱۹)۔ ۱۴۹۲ء میں دوبارہ عیسائیوں کے قبضے کے بعد اسپین کے مسلمانوں کے ساتھ جو انتہائی ناروا سلوک کیا گیا اور انہیں جبراً عیسائی بنانے کی کوشش تو ایک طرف لیکن دوسری طرف مسلمانوں کے علمی سرمایہ کے ساتھ جو حشر کیا گیا وہ تاریخ عالم کا سیاہ ترین باب ہے ۔ وہ علمی خزانہ جو ہزاروں نہیں ، لاکھوں انسانوں کی محنت اور تجربات کا خلاصہ تھا وہ نذر آتش کردیا گیا اور باب الرحلہ کے چوک میں دس لاکھ کتابوں کا ڈھیر لگاکر انہیں آگ لگادی گئی جس کے بارے میں پی اسکاٹ لکھتا ہے : " اس وحشیانہ فعل کا مالی نقصان تو ہوا لیکن اس سے یگانہ روزگار علمی یادیں تباہ ہوگئیں جس کا بدل ناممکن ہے " (۲۰)

پس چہ باید کرد اے مرد مسلمان :- یہ تو ہمارے اسلاف کے عروج وزوال کی داستان ہے اسمیں ہمارے لئے کیا سبق ہے ؟ کیا عبرت ہے ؟ (ان فی ذلک لعبرۃ) کیونکہ قرآن مجید فرقان حمید کے الفاظ میں " یہ تو ایک گروہ تھا جو گذرچکا ان کے لئے وہی کچھ ہے جو وہ کرچکے اور تمھارے لئے بھی وہی کچھ ہے جو تم کروگے اور تم سے (۲۱) ان کے (اعمال) کے بارے میں سوال نہیں کیا جائیگا"

آج پورا عالم مسلمان نوجوانوں کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے :

عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزی افرنگ — معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
ازخواب گراں ، خواب گراں ، خواب گراں خیز — از خواب گراں خیز

+++++++++++

+ تشریح اشعار : تمام عالم فرنگی تہذیب وتمدن کی چنگیزی سے ویران ہورہا ہے ۔ اے معمار حرم ، اے کعبہ کے محافظ ومعمار دوبارہ (اپنے اسلاف کی طرح) جہاں کی تعمیر کیلئے اٹھ کھڑا ہو اور غفلت کی بہت گہری نیند سے بیدار ہوجا ۔

حواشی

(۱) ملاحظہ ہو " اے غارٹ ہسٹری آف مسلم ان سپین " از مظہرالحق (ص ۱۱ ، ۱۲) ۔ (۲) ملاحظہ ہو ڈریپر کی کتاب " Inleffectual Developmentof Europe " کا ص ۲۷ ، ۲۸ بحوالہ " مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے " از مولوی نور محمد ۔ (۳) ملاحظہ ہو " ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ " از ثروت صولت ص ۲۵۵ (۴) " ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ " از ثروت صولت (ص ۳۵۵ ، ۳۵۶) (۵) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو " مسلمانوں کا عروج وزوال " از سعید احمد اکبر آبادی (ص ۱۶۹ ، ۱۷۰) (۶) " ھسٹری آف دی عربس " از فلپ کے حتی بحوالہ " اسلام کی نشاۃ ثانیہ ، قرآن کی نظر میں " از شہاب الدین ندوی (ص ۲۲۱) (۷) مزید تفصیل کےلئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر حمیدالدین کی کتاب " تاریخ اسلام " (ص ۳۵۴ ـ ۳۶۰) ملاحظہ ہو " ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ جلد اول (ص ۳۵۴) (۸) یہ بہت بڑی جامعہ تھی جو عبدالرحمن الداخل نے اسکی تعمیر شروع کی تھی ۔ عبدالرحمن ثالث نے اس میں توسیع کا کام جاری رکھا ، آخر میں منصور نے اسے مکمل کیا اس مسجد میں ایک ہزار ستون تھے ۔ ھسپانیہ اور مسجد قرطبہ پر اقبال نے خون کے آنسو روئے اور اپنے لازوال اشعار ان کے بارے میں لکھے جو کہ بالِ جبریل میں موجود ہیں ۔ جامعہ کا اب صرف ایک محراب باقی ہے ۔ (۹) قصرالزھرا ھسپانیہ کے عظیم فرمانروا عبدالرحمن نے اپنی بیوی زھرا ، کے نام پر تعمیر کیا تھا ۔

(۱۰) الحمرا اتنا بڑا قلعہ تھا کہ بیک وقت چالیس ہزار فوجی اس میں آسکتے تھے ۔ اب صرف اس کا ایک حصہ باقی ہے ۔ (۱۱) ملاحظہ ہو " تاریخ اسلام " از ڈاکٹر حمیدالدین ص ۳۶۰ (۱۲) ایضاً (۱۳) ہفت روزہ " ندا " مدیر اقتدار احمد ، لاہور (۱۳) مزید تفصیل کےلئے ملاحظہ ہو ، ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب " اسلام کی نشاۃ ثانیہ " کرنے کا اصل کام " (۱۴) مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو " ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ " ص (۳۲۷ ، ۳۲۸) اور مظہرالحق صاحب کی کتاب " A Shart History of Muslim in Spain " (۱۵) ملاحظہ ہو فلپ کے ھٹی کی کتاب " History of the Arabs " بحوالہ " اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں " از شہاب الدین ندوی (۱۶) ملاحظہ ہو " محمد رسول اللہ ، غیر مسلموں کی نظر میں از حنیف یزدانی (۱۷) " مسلمانوں کا عروج وزوال " از پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی ص ۲۰۳ (۱۸) اخبارالاندلس جلد ۳ بحوالہ " مسلمانوں کا عروج وزوال " ص ۲۱۱ ، ۲۱۲) ۔ (۱۹) القرآن ، سورۃ البقرہ ایت نمبر ۱۴۱ ۔

جناب پروفیسر قاضی حلیم فضلی صاحب
مدیر ماہنامہ "القلم" اوگی

اللہ تعالیٰ کا انسانی نظام تعلیم وتربیت

انسانوں کی اصلاح اور تعلیم وتربیت کےلئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو مثالی نظام تعلیم دیا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ وہی نظام تعلیم و تربیت ہر زمانے کی بھٹکی ہوئی بگڑی ہوئی بدتربیت وگمراہ قوموں کیلئے مؤثر بھی ہے اور نتیجہ خیز بھی۔ اور خدائی نظام تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی تعلیمات وہدایات پر مشتمل آسمانی کتب کا نصاب اتارا ہے وہیں ان تعلیمات وہدایات کی تعلیم وتدریس اور تہذیب وتربیت کےلئے انسانوں میں سے اپنے ایسے بندوں کو نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا جنہیں جہاں ان آسمانی کتب کے نصاب کا فہم وعلم عطا فرمایا وہاں انہوں نے ان نصابی کتب کی ہدایات واحکامات پر عمل فرماکر سیرت وکردار اور اخلاق واخلاص کے ایسے نمونے پیش فرمائے جو اس وقت بھی اور آج بھی انسانوں کیلئے رہنمائی کے عمدہ نمونے اور اعلیٰ مثال ومعیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان باعمل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بےداغ دامن تعلیم وتربیت سے ذروں نے آفتاب کا درجہ پایا انکی تعلیم اور سیرت وکردار کی چمک سے دنیائے جہالت کے اندھیرے دور ہوئے اور بھٹکے ہوئے اور بگڑے ہوئے انسانوں نے ہدایت پائی۔ نصاب قرآن واحادیث کی تدریس کی نوبت تو بعد میں آئی مگر پہلے قرآن کے ان عالموں نے اپنی اپنی سیرت وکردار سے لوگوں کو متاثر کیا۔ ایسی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ اسلام انکی سیرت وکردار کے سچے،کھرے اور ستھرے اعمال اور رویوں سے پھیلا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ آج ہماری اخلاقی بے راہ روی اور بددیانتی اسلام کی ترقی اور پھیلاؤ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ہماری اس تمہید سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ قوموں کی تعلیم وتربیت اور سیرت وکردار کی تکمیل کیلئے نصاب کی تدوین وتربیت اپنی جگہ اہم ہے مگر اس نصاب کی تعلیم وتدریس کیلئے" تربیت" انتہائی لازمی ہےاورتربیت اسی صورت میں ممکن ہوسکتی ہے جبکہ نصاب کا معلم، معلم اخلاق بھی ہو، معمار سیرت بھی ہو اور معیاری کردار کا مرتب بھی ہووہ خود بھی اپنی سیرت وکردار سے نہ صرف طلبہ کو متاثر کرسکے بلکہ ان میں "معروف" کے فروغ اور "منکر" کے انسداد کا فریضہ بھی انجام دیتا رہے۔ طلبہ کی نشست وبرخاست ،

رفتاروگفتاران کے رویوں پر کڑی نگاہ بھی رکھے ۔ غیر شائستگی ، غیر مہذب اور غیر مناسب حرکتوں پر گرفت کرے ۔ نصاب تعلیم کی مثال ایک" چراغ" کی ہے اور معلم نصاب کی مثال "رہنما" کی ہوتی ہے ۔ رات کی تاریکی میں رہنما کے ہاتھ سے چراغ چھین لیا جائے تو وہ خود اندھیروں میں بھٹک کر دوسروں کو بھٹکا سکتا ہے اور اگر " چراغ" کو " رہنما" کے بغیر چھوڑ دیا جائے تو وہ محدود روشنی تو بکھیر دے گا مگر رہنمائی کا فریضہ انجام نہیں دے سکے گا ۔ اس لیے منزل تک رسائی کے لئے نصاب کا " چراغ " اور برے بھلے راستوں سے واقف " رہنما" دونوں لازم وملزوم ہیں ۔ ہماری تمام تر تعلیمی کوششوں پر کروڑوں روپے کے اخراجات کے باوجود ، نصاب کی بار بار تدوین و ترتیب کے ہوتے ہوئے گلی، گلی اور گاؤں، گاؤں سرکاری وغیر سرکاری تعلیمی اداروں کی کثرت کے باوجود نہ شرح خواندگی میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ معیار تعلیم میں بلندی نظر آتی ہے اور نہ ہی قومی اخلاق وکردار نکھرتا اور سدھرتا ہے ، اس لئے کہ ہم شعبہ تعلیم میں صاحب کردار ، دیانتدار اور بااخلاق معلمین نصاب کی اہمیت کو نظرانداز کرتے رہے ہیں ۔

ہمارے ہاں زندگی کے دونوں اہم شعبوں " سیاست وقیادت" اور " تعلیم وتربیت" میں اہل سیرت واخلاق اور مطلوبہ اعلیٰ کردار کی ضرورت فراموش کردی جاتی ہے جسکی وجہ سے جہاں سیاست وقیادت میں سرمائے کے زور اور برادری کے شور سے ایسے ایسے بدکردار وبددیانت لوگ منتخب ہوکر برسراقتدار آجاتے ہیں جو ملک کو اخلاقی اور معاشی دیوالیہ پن سے دوچار کرکے اپنے دور اقتدار میں کرپشن وخیانت کاری کی ہوش ربا داستانیں چھوڑ جاتے ہیں ۔ یہی حال شعبہ تعلیم کا بھی ہے جہاں بقول غالب مرحوم

سبزے کو کہیں جگہ نہ ملی بن گیا روئے آب ہر کائی

جو لوگ اپنے تعلیمی واخلاقی زوال وانحطاط کے باعث کہیں دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں راہ نہیں پاسکتے وہ (الاماشاء اللہ) محکمہ تعلیم میں بھرتی ہوجاتے ہیں اور معمار قوم کی بجائے مسمار قوم کا فریضہ انجام دیتے ہیں ۔ فرائض تعلیم وتدریس سے اپنی تعلیمی کمزوری کیوجہ سے نااہل ونالائق اور غافل ہوتے ہیں ۔ اخلاقی کمزوریوں کیوجہ سے زیر تعلیم طلبہ کی اخلاقی تربیت سے نابلد اور خود اپنی بگڑی ہوئی عادات واطوار کیوجہ سے شاگردوں کے سامنے بڑے ماڈل اور نمونے ہوتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ان دونوں شعبوں ، قیادت و تعلیم کے ہاتھوں ہمیں نہ تو قومی تعمیر کی منزل مل سکی اور نہ ملکی خوشحالی کا مقام میسر آسکا ۔ اللہ تعالیٰ کی اس انسانی تعلیم وتربیت کی سنت کا تقاضا ہے کہ ہم

بھی قومی تعلیم وتربیت کے مرتبہ پر فائز افراد کے انتخاب وچناؤ میں پیغمبرانہ اوصاف کے حامل نہ سہی، سیرت وکردار اور اخلاق ۔ حتیٰ بہتر معیار کو ضرور شرط اول قرار دیں اور ان کے انتخاب سے قبل اتنی تحقیق ضرور کی جائے کہ موصوف کس گھرانے اور کس ذات سے تعلق رکھتے ہیں؟۔ گھریلو ماحول کیسا ہے، حلقہ احباب کیا ہے؟۔ اخلاقی شہرت کیسی ہے اور ڈگری یا سند کے ساتھ ساتھ تہذیب وشائستگی کا کتنا جوہر موجود ہے؟ لیکن جب اس چھان بین اور تحقیق وتفتیش کے بغیر انتخاب عمل میں آجاتا ہے تو اساتذہ کے تدریسی تربیتی اداروں میں نظم ونسق.بچوں کی نفسیات اور غیر مسلم دانشوروں کے تدریسی اصول واقوال رٹائے جاتے ہیں ۔ جن کا ہمارے سکولوں کے ماحول سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ۔ اساتذہ کے تدریسی تربیتی اداروں میں اساتذہ کی اخلاقی تربیت، دیانتدارانہ فرائض کی ادائیگی، سیرت سدھار اور اخلاق سنوار، اکل حلال واجتناب حرام کا کوئی درس ہوتا ہے نہ ہی خصوصی توجہ وتربیت ۔ ان تربیتی اداروں میں جنکی مدت تربیت مختصر ہوتی ہے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز تدریس وتعلیم ان کی سیرت، معروف صحابہ کرامؓ کی معلمانہ کاوشوں اور ہمارے بیشتر دینی ومذہبی تعلیمی اداروں کے بےلوث قانع اور متوکل اساتذہ کرام، صوفیاء، اولیاء عظام کی سیرتوں اور اخلاق پر مشتمل نہ کوئی نصاب ہے نہ نصاب کا حصہ ہے ۔ چنانچہ اساتذہ کے انتخاب اور تربیت کے دوران اخلاق وکردار کو جب شروع سے اہمیت ہی نہ دی جائے تو نرے اور خالی خولی نصاب کی تدوین وتربیت سے قومی اخلاق وکردار کی اصلاح کی توقع الہامی کتب کے ہمراہ پیغمبروں کی بعثت کے الہیٰ قانون کے منافی ہوگی ۔ ہم اگر یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ تدریس وتعلیم کا سلسلہ اول خدا اور اس کے پیغمبروں سے ملتا ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ معلمی کے پیغمبرانہ منصب پر فائز ہونے والے اساتذہ کرام میں پیغمبرانہ اوصاف وکردار کی جھلک ضرور ہونی چاہیئے ۔ ان کا معاشرتی وسماجی معیار بلند کرنا ہوگا ۔ ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق جب چناؤ کیا جائے گا تو پھر اس مقام اور مرتبہ کا احترام ولحاظ بھی رکھنا ہوگا۔ قومی تعمیر واصلاح کے اس شعبہ کی سربراہی کو دوسرے تمام شعبوں میں اولیت اور ترجیح دینا ہوگی۔اگر حکومت کی موجودہ تعلیمی پالیسی میں ہماری ان گذارشات کی روشنی میں اساتذہ کیلئے ایسا کوئی اہتمام ونظام موجود ہے تو بہتر نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو یہ تعلیمی پالیسی بھی پاگلوں کے ہاتھ میں تلوار کے فرسودہ نظام کی طرح ہماری نسلوں کے اخلاقی قتل عام کا کردار ادا کرے گی ۔ ممکن ہے کوئی شخص ہمارے اخلاقی زوال اور تعلیمی انحطاط کیوجہ معاشرتی بگاڑ کا یا طلبہ کے گھریلو حالات اور والدین کی بے حسی کو گردانے لیکن ہمیں یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی زیادہ

(باقی صـ67 پر ملاحظہ ہو)

جناب مولانا محمد خلیل اللہ حقانی
آلائی بٹگرام

امام فخرالدین رازیؒ اور انکی تصانیف

چھٹی صدی ھجری کے وسط قریباً ۵۴۲ یا ۵۴۴ ھجری میں اس صدی کے عظیم عالم دین اور مفسر قرآن نے جنم لیا۔ بعد میں یہ امام فخر امام الدین رازیؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ امام فخر الدین رازی ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسین بن الحسین بن علی طبرستانی ہے۔ جو شافعی المسلک اور ابن الخطیب کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے علم الکلام، معقولات، مختلف علوم وفنون کے بارے نادر کتابیں لکھ دی ہیں۔ جسکی بناء گذشتہ تمام فلاسفہ شکوک وشبہات کے شکار ہوئے۔ مثلاً قطب الدین رازی، میرداماد، ملا صدریٰ وغیرہ جیسے عظیم مسلمان مفکرین فلاسفہ کومدتوں ان کے جواب لکھنے کے لئے سرگردان کئے رکھا۔ قدیم فلاسفہ کے اصولوں میں " تشکیک " پیدا کرنے کی وجہ سے امام فخرالدین رازی کو" امام تشکیکین " کا لقب دیا گیا ہے۔ امام رازی نے علم کلام اور علم تفسیر میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک" دواکتنبیہ علی بعض الاسرار الموودعۃ فی بعض سورالقرآن " ہے امام نے سورۃ توحید، سورۃ اعلیٰ، سورۃ والتین، اور العصر میں خود فرمایا ہے کہ جو مطالب میں نے بیان کئے ہیں وہ آج تک کسی نے بیان نہیں کئے۔ اس تفسیر میں ایک الگ کتاب الکلام ترتیب دی گئی ہے۔ جسکے ابواب میں توحید، نبوت، معاد اور کیفیت تکامل نفس شامل ہیں۔ ان مکاتب واسرار کو امام موصوف نے مذکورہ چار سورتوں سے اخذ کیا ہے۔ امام فخرالدین رازیؒ کی اہم ترین کتاب " مفاتیح الغیب " مشہور بہ تفسیر کبیر ہے۔ جسکو اگرچہ وہ اپنی زندگی میں مکمل نہ کرسکے لیکن بعد میں ابن الخوئی اور سیوطی جیسے نامور مفسیرین نے اسے مکمل کردیا۔ تفسیر کبیر اصل میں دینی علوم اور معلومات کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ امام نے تفسیر کبیر کے آغاز میں لکھا ہے۔ کہ جب میں سورۃ حمد پر لکھنے کے لئے کمربستہ ہوا تو دس ہزار مسائل میرے پیش نظر تھے۔ یہی بات کلام اللہ کی تفسیر میں انکی وسعت نظر، اور علمی تبحر کی روشن دلیل ہے۔ اور اسی وجہ سے لوگوں نے کہا :" جمع فخرالدین رازی فی تفسیرہ اشیاء کثیرۃ طویلۃ لاحاجۃ لھا فی علم التفسیر " اور اسی لئے بعض علماء کہتے ہیں " فیہ کل شیٔ الا المحصل افکار المتقدمین، البیان والبرھان فی الرد علی اصل الزیغ والطغیان۔ المباحث العمادیۃ فی المطلب المعادیہ تھذیب الدلائل، وعیون المسائل۔

ارشاد النظائر الیٰ مطائف الاسرار، اجوبۃ المسائل النجاریہ، تحصیل الحق شامل ہیں۔ امام فخرالدین رازیؒ نے نحو، فقہ، طب، علم الفراس اور طلسمات پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ طلسمات میں السرالمکنون اور شرح اسماء اللہ الحسن نحو میں شرح الوجیز غزالی، شرح الکلیات قانون ابن سفیا لکھی ہیں۔ فلسفہ اور حکمت میں بھی امام فخرالدین رازیؒ کسی سے پیچھے نہیں ہے۔ اس سلسلے میں انکی متعدد کتابوں جیسے شرح الاشارات، عیون الحکمت مباحث المشرقیہ، النھایہ، رسالہ روحیہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ کتاب الملخص منطق اور فلسفہ میں امام صاحب نے اس کتاب طبعیات اور الٰہیات کے مسائل کو فلسفہ اور متکلمین کی روش میں لکھا ہے۔ ملخص کی منطق میں بعض مسائل امام صاحب کے شکوک مثلاً قضایا قیاس، مبادی، برھان کے مسائل ہیں۔ امام صاحب اسی کتاب میں کہتے ہیں کہ میں مبادی برھان کے بارے میں اپنے شکوک وشبہات کو کتاب النھایہ میں لایا ہوں۔ کتاب الملخص میں وہ اپنے مخصوص مباحث پر بحث کرتے ہیں۔ امام صاحب نے اپنے رسالہ روحیہ میں جو فارسی میں لکھا گیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ اس کے پہلے دس ابواب میں ماھیۃ روح اثبات حقیقت بقاء، مراحب و تجلی ارواح اور اس قسم کے دیگر مسائل بیان کریں۔ امام المشککین کی ایک اور کتاب مباحث المشرقیہ ہے۔ جو دو جلدوں میں ہے۔ اس میں طبعیات اور الٰہیات پر بحث کی ہے۔ امام صاحب کہتے ہیں اس کتاب میں قدماء کی کتب کا اس موضوع پر لب لباب ہے۔ اور تطویل واطناب سے پرہیز کی گئی ہے۔ یہ ایجاز اختصار جہاں بھی ابہام کا موجب بنے۔ انہیں دور کیا گیا پھر ان مطالب کو منطقی نتائج کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا کہ ان شکوک اعتراضیات کا حل شافی اور جواب وافی دیا جائے۔ اس ضمن میں امام صاحب کیلئے یہ مشکل ہوگیا تھا کہ وہ ان مسائل کے ساتھ جو موافقت کے سبب تھے مخالفت کریں۔ اور کلام جمہور کے نقائص واضح کریں۔ اس موقع پر انہوں نے کہا کہ اگر آپ کسی مسئلے کے بارے میں قطعی دلیل رکھتے ہیں تو اسے زیر بحث لائیں، بصورت دیگر اعتراض ادا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہمارے معاصر دو قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ جو کچھ اسلاف نے کیا ہے اس سے موافقت رکھتے ہیں اور انکی مخالفت نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلاف اپنے متقدمین کی تنقید کا نشانہ بنے اور متقدمین نے ان مسائل کی تصریح سے پرہیز نہیں کی۔ اگر وہ اسلاف پر تنقید کرے تو خود متقدمین تنقید کا نشانہ بنیں گے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو بزرگ علماء اور نامور حکماء سے اختلاف اسلئے نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ ان بزرگوں کے خلاف چلیں گے وہ ایک صحیح راہ سے منحرف ہوجائیں گے۔ اور انکی مخالفت میں جن خیالات کا اظہار کیا جائے گا نقصان کا سبب بنیں گے۔ میں نے اس افراط و تفریط سے دور ہٹ کر

اعتدال کا راستہ اختیار کیا ہے ۔ یعنی میں نے کسی بات کو معقول پایا ہے تو اسکی تلخیص کی ہے ۔ اسے تحریر میں لایا اور ثبوت کے طور پر پیش کیا ۔ ان اصولوں کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو اسرار مجھ پر آشکار ہوئے اور جن کو میں نے بیان کیا وہ کسی اور نے بیان نہیں کئے ۔ کتاب مباحث المشرقیہ کو امام صاحب نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ پہلے حصے میں مبحث وجود دوسرے میں اقسام ممکنات اور تیسرے حصے میں الٰہیات کے بارے میں کہا گیا ہے ۔ کتاب کے آخر میں نبی کی ضرورت ، خصوصیات اور اسکی شرائط پر بحث کی گئی ہے ۔ امام فخرالدین رازیؒ چھٹی صدی ھجری کے آواخر میں ایک عظیم فلاسفر مشہور ہوچکے تھے ۔ ۶۰۶ھ ھجری میں انہوں نے وفات پائی ۔ جب زندگی کے بارے میں کوئی ذکر کیا جاتا ہے تو انکی اس کتاب کو فراموش نہیں کیا جاسکتا جو انہوں نے اپنے دوستوں کی خواہش پر لکھی ۔ اس کتاب کا نام " محصل افکار المتقدمین والمتاخرین من الحکماء والمتکلمین " ہے ۔ اس میں علم کلام پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے ۔ اس کی کئی بار تلخیص ہوئی اور شرح لکھی گئی ہے ۔ علم کلام میں دوسری کتاب المسائل الخمسون میں پنجاہ مسئلے مرتب کئے گئے ہیں ۔ عقائد اھل سنت کے بارے میں انکی ایک کتاب ہے جسکے پہلے حصے میں ادلہ اصول دین اور دوسرے حصے میں بعض مقالوں کی شروح لکھی گئی ہیں ۔

ماخذ مضمون

(۱). رسالہ پاک جمہوریت لاہور ۔ (۲) مولانا سمیع الحق صاحب سے درس کے وقت کی یاداشتیں ۔
(۳). اسلام و عصر حاضر ۔ (۴). تاریخ عزیمت ۔ (۵). تاریخ اسلام ۔

بقیہ صفحہ ۴۴ سے اسلام تعالیٰ کا انسانی نظام تعلیم و تربیت

بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح پیغمبروں کی بعثت کے ذریعہ فرمائی اور ہماری تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے صلحاء ، اولیا اور صوفیائے کرام نے اس سے بھی زیادہ بگڑے ہوئے معاشروں میں اصلاح امت کا بیڑہ اٹھایا اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تعلیم اور اساتذہ کرام نے قوموں میں انقلاب پیدا کیا اور انہیں تعمیر وترقی کی منزلوں تک پہنچایا ۔ آج دنیا کی بیشتر ترقی یافتہ قومیں اسی تعلیمی انقلاب کی مرہون منت ہیں ۔ یہ ہماری بد قسمتی ہی کہی جاسکتی ہے کہ ہم خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین ومشرکین کے جوٹھے دسترخوانوں کی ریزہ چینی میں فخر محسوس کرتے ہیں ۔ بریں عقل ودانش بباید گریست

جناب سید العارفین صاحب پشاور

اسلام اور انسانی حقوق

آج کے نام نہاد ترقی یافتہ و مہذب دور میں حکمرانوں نے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کیلئے جب دوسری اقوام پر ایٹم بم گراکر وحشیانہ طریقے پر انسانیت کی بے حرمتی شروع کی، تو اقوام متحدہ (اقوام متفرقہ) نے ایک قرارداد کے ذریعے حقوق انسانی کے نام سے ایک دن مخصوص کیا، تاکہ حقوق انسانی کے مسئلہ کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے۔ اب یہ دن ہر سال منایا جاتا ہے۔ اس دن مختلف نظریات و عقائد کے حامل اھل علم و دانش اس موضوع پر بحث اور گفتگو کرتے ہیں اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈال کر کچھ قراردادیں پاس کرنے پر اکتفا کرلیتے ہیں۔ پوری دنیا میں اس نام کی تنظیمیں این جی اوز (NGO's) مصروف عمل ہیں۔ لیکن چونکہ اس کے تمام اصول وقواعد غیر فطری اور عقل انسانی کی تخلیق شدہ ہیں اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ سالہاسال سے کوئی خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آرہے اور نہ مستقبل قریب میں اسکا کوئی امکان نظر آرہا ہے بلکہ عالمی مسائل مزید گھمبیر ہوتے جارہے ہیں۔ دنیا کی اکثریتی آبادی مایوس کن صورتحال سے دوچار ہے۔ اب کوئی راستہ ایسا ڈھونڈنا ضروری ہے جو ہمیں واقعی پائیدار عادلانہ حقوق دے سکے، ان حالات وواقعات میں ہمیں مجبوراً کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ قرآن عظیم الشان میں فرمایا گیا ہے " لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم " (احسن تقویم کا مطلب یہ ہے کہ انسان ایک قابل احترام ومقدس مخلوق ہے اس کے جسمانی اور روحانی حقوق کی حفاظت کا مکمل انتظام واہتمام ہونا چاہیئے تاکہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ایک فلاحی معاشرہ کے قیام کا ذریعہ بنے۔ خدانخواستہ اگر یہ کام نہ ہوا تو شیطان (ازلی دشمن) اس کے تقدس کو ذلت و درندگی میں بدل دیگا۔

اسلام اور انسانی حقوق :- اگر انسانی تاریخ کے اوراق پلٹے جائیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ روئے زمین پر مختلف ادوار میں اقوام عالم ہمیشہ آپس میں ٹکراتی چلی آرہی ہیں اور ایسے سنگین مظالم رونما ہوئے ہیں جنکو سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ تاریخ انسانی میں ملت اسلامیہ کے کردار وہ روشن کرنیں ہیں جو دوسروں کیلئے مشعل راہ ہیں۔ اسی ملت نے اپنے عروج وترقی کے زمانہ میں بھی احترام

آدمیت کی ایسی مثالیں قائم کی ہیں جسکی نظیر کوئی پیش نہیں کرسکتا۔یہ مسلمانوں کا اسلام کے وضع کردہ قانون وضوابط پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ تھا کہ لوگ خود بخود دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اسلامی تعلیمات ہی حقوق انسانی کی بقاء اور تحفظ کے ضامن ہیں۔

زندگی کا حق :- اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا جو بذات خود اسکو جینے کا حق دینے کی بین دلیل ہے۔یہ امر بین ہے اقوام عالم میں یہودونصاریٰ دو ایسی قومیں ہیں جنھوں نے ہمیشہ خالق کائنات کے دیے ہوئے اسی حق کو چھیننے کی ناکام کوششیں کی ہیں۔ زمانہ انبیاء علیہم السلام سے لیکر اب تک فساد فی الارض کے مرتکب چلے آرہے ہیں۔اٹھارہویں صدی میں جب اہل کلیسا کو قوت ملنی شروع ہوئی تو اس نے انسانیت کا جنازہ نکالا۔ آسٹریلیا میں انسانوں کا شکار کرکے اور سفید نسل والوں کیلئے قدیم باشندوں سے زمین خالی کرلی گئی، امریکہ میں سیا فام اصلی باشندوں کی نسل کشی کی گئی۔افریقہ میں انسانوں کو جانوروں کی طرح ہلاک یا غلام بنایا گیا۔یہاں تک کہ افریقہ کی بندرگاہ اور غلام حول کی بندرگاہ (Coase of Slave) پر مشہور ہوا۔ دنیا اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑی نصرانیت ویہودیت کے منافقانہ طرز عمل اور مکارانہ نعروں پر انگشت بدندان ہے۔ بوسنیا، فلسطین، آذربائیجان، عراق، کشمیر وغیرہ چیخ چیخ کر ان کے مظالم کا پردہ چاک کررہے ہیں، اسکے برعکس دین اسلام نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ غیر مسلموں کو بھی مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: " من قتل نفساً بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً ومن احیاھا فکانما احیاالناس جمیعاً " (المائدہ) (ایک شخص قتل کرے، ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں تو اس نے گویا قتل کر ڈالا سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کیا سب لوگوں کو)۔ انسانی تاریخ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان کبھی فراموش نہیں کرسکتی جو انہوں نے لشکر اسلام کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔ " لاتقتلوا الاطفال والنسآء والشیوخ ولا تقتلوا الحیوان لاتحرقوا الاشجار " (تم بچوں کو اور عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو اور نہ حیوان کو قتل کرو، تم درختوں کو مت جلاؤ) یہی وجہ ہے کہ مفتوحہ ممالک کے باشندے جب اسلامی تعلیمات اور شہری حقوق سے مالامال ہوجاتے تو ان کی اکثریت برضا ورغبت اسلام قبول کرلیتی جبکہ غیر مسلم غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی وفادار رہتے، بلکہ بسا اوقات مسلمانوں کے شانہ بشانہ جنگ میں اپنی ہی قوم کے خلاف نبرد آزما ہوتے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کا والی مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہ فرمان جاری کرنا کہ " متیٰ استعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احراراً " ترجمہ: تم لوگ کب تک لوگوں کو غلام رکھوگے حالانکہ اپنی ماؤں نے وہ آزاد جنے۔

دینی آزادی کا حق :- مسلمانوں کی دینی وسعت نظری کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ

جب حضرت عمرؓ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انہوں نے بیت المقدس کے اندر موجود کنیسا میں اس لیے نماز نہیں پڑھی کہ مستقبل میں مسلمان اس عمل کو برقرار نہ رکھیں ورنہ اسطرح کنیسا کی بےحرمتی ہوتی رہیگی، جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ تاریخ انسانی کے کسی گوشے میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ کسی نصرانی یا یہودی کو اسلامی ملک میں صرف اسلئے قتل یا ملک بدر کردیا گیا ہو کہ وہ نصرانی یا یہودی ہے۔ اگر کہیں کوئی واقعہ پیش آیا بھی ہے تو وہ انکی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا ردعمل ہوتا تھا۔ (اسلامی حکومت میں جو غیر مسلم آباد ہوں اور وہ وفادار ہوں ان کو ذمی کہا جاتا ہے کیونکہ انکی ہر قسم حفاظت ومدافعت کا ذمہ حکومت نے لیا ہوتا ہے۔ ان کی جان، مال، مذہبی رسومات، عبادتگاہوں کی حفاظت حکومت کے ذمہ ہوتی ہے۔ ان سب کے بدلے ایک معمولی سالانہ ٹیکس لیا جاتا ہے اسکے برعکس اسلامی حکومت میں خود مسلمانوں کو اتنے حقوق و سہولیات حاصل نہیں ہوتے۔ مسلمان زکوۃ، صدقہ فطر، قربانی اور کبھی جہاد کیلئے خاص فنڈز بھی ادا کرتے ہیں جو جذیہ سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلم ہمارے دین وایمان پر ڈاکہ ڈالیں، بہتان طرازی کریں اور مختلف قسم کے سیاسی ھتکنڈوں اور مذہبی مظلومیت کا واویلا کرکے (اقلیت کی آڑ میں دین اسلام کی بےحرمتی کرتے رہیں کیونکہ اس میں مسلمانوں کیلئے عظیم خطرات ہیں۔)

معاشرتی حق:- اسلام دین رحمت ہے۔ اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جہاں بھی مسلمانوں نے حکومت بنائی وہاں عدل، انصاف، برابری اور مساوات کو عملی طور پر نافذ کیا۔ اسلامی معاشروں میں یہود اور نصاریٰ کو بڑی فراخدلی سے قبول کیا گیا۔ ہر وقت انکی حفاظت کا مکمل خیال رکھا گیا اور ان کے حقوق کی پاسداری کی گئی۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور کا واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ اور ایک یہودی کے مابین ایک مقدمہ عمرؓ کی عدالت میں پیش ہوا۔ عمر فاروقؓ نے حضرت علیؓ کو یہودی کے برابر کھڑا ہونے کو کہا اور "ابوالحسن" پکار کر نام لیا تاکہ یہودی کے دل میں کسی قسم کی بدگمانی یا شک پیدا نہ ہو، حالانکہ اس طرز عمل پر حضرت علیؓ خفا ہوگئے۔ یہ مسلمان حکمرانوں کے حسن سلوک کا نتیجہ تھا کہ مشرقی ممالک کے نصاریٰ نے اپنے تمام وسائل کے ساتھ مسلمانوں کے شانہ بشانہ یورپی صلیبی حملہ آوروں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور ان کا یہ مقولہ بڑا مشہور ہوا "تم ہم پر مہرباں ہو، ہمارے تمام حقوق کے محافظ ہو جو ہمیں اپنے ہی بھائیوں سے نہیں ملتے" اسلام مساوات کا علمبردار ہے وہ زندگی کے ہر شعبے میں مساوات اور میانہ روی کا درس دیتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر میں رحمۃ اللعالمین اور محسن انسانیت نے اپنے صحابہ کرامؓ کے شانہ بشانہ حصہ لیا، اسی طرح جنگ خندق کے موقع پر جب تمام صحابہ کرام سخت گرمی میں دفاعی تیاریوں میں مصروف تھے تو محسن انسانیت بھی اپنے ساتھیوں سے پیچھے نہیں رہے بلکہ ان سے

زیادہ جانفشانی سے کام کیا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں جارہے تھے کہ ایک بوڑھے آدمی کو سوال کرتے دیکھا۔ پوچھا کیوں سوال کرتے ہو؟ کہا میرا کوئی نہیں اور خود ضعیف ہوں اس سے پوچھا کون ہو کہا یہودی ہوں۔ حضرت عمرؓ فوراً اسکو گھر لے گئے کھلایا، پلایا اور بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا اور خازن کو لکھا " ظلمناہ اخذنامنہ جزیۃ صغیراً وترکناہ کبیراً " جنگ عظیم کے بعد جب یہودیوں کو بھی پناہ دینے والا کوئی نہیں تھا اس وقت اسلامی ممالک ہی یہودیوں کیلئے بہترین پناہ گاہیں تھیں، مگر آج..........

قانون کی بالادستی :- کسی قوم کی ترقی کیلئے دو چیزیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ (۱) تعلیم (۲) قانون اسلامی قانون میں سب شہری برابر ہیں۔ غریب ہو یا غنی، چھوٹا ہو یا بڑا، حکمران ہو یا رعایا سب کی حیثیت برابر ہے۔ مالدار کو اس کی دولت کی نمائش یا استعمال اور غریب کو اپنی غربت کو مظلومیت کا جامہ پہنا کر اس سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔ دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے کہ بنو مخزوم کے ایک معزز گھرانے کی عورت نے چوری کی۔ صحابہ کرامؓ نے اس قبیلہ کی عزت کی خاطر اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عدالت نبوی میں سفارشی بناکر بھیجا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرز عمل پر بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا۔ " انما ھلک الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد وایم اللہ لوان فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سرقت لقطعت یدھا الشیخان "

خلفائے راشدین نے اسی اسوۂ حسنہ کو اختیار کرکے انسانی حقوق کے پاسداری کا فریضہ انجام دے دیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب منصب خلافت ملا تو انہوں نے یہ اعلان کیا

" القوی فیکم ضعیف عندی حتی اخذالحق منہ والضعیف فیکم قوی عندی حتی اخذلہ حقہ " اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت کے معاشرے میں ضعیف وکمزور مایوس نہیں تھا اور طاقتور مغرور نہیں تھا سب کے دل مطمئن اور پرسکون تھے۔ احترام انسانیت بدرجہ اتم موجود رہا۔ آقا وغلام ایک ہی دسترخوان پر بیٹھے رہتے۔ جبکہ بادشاہ جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا ایک دن کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایک اعرابی سے ٹکرایا اس نے غصے میں اعرابی کو تھپڑ مارا۔ یہ معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا آپؓ نے اعرابی کے حق میں فیصلہ دیا۔ جبکہ بادشاہ ناراض ہوگئے بلکہ مرتد ہونے کی دھمکی دیدی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سمجھایا اور اللہ کا کرم تھا کہ اسکا ضمیر جاگ اٹھا اور انہوں نے حکم الٰہی کی تعمیل میں ذاتی انا کو قربان کیا۔ بنوامیہ، بنو عباس، عثمانی اور مغل ادوار میں اسلامی مملکتیں مرکز قوت ومرکز عالم رہی ہیں مگر انہوں نے قانون کے نفاذ میں کبھی بھی مذہبی قومی یا لسانی تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا۔

جناب مولانا ذاکر حسن نعمانی صاحب فاضل حقانیہ

صحیح اسلامی انقلاب کیسے اور کون برپا کرے گا؟

اس وقت عالمی سطح پر اور ملکی سطح پر مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجہ سے تقریباً تمام مسلم ممالک میں اپنے اپنے ملک کی سطح پر مختلف تحریکیں اسلامی انقلاب کی خاطر سرگرم عمل ہیں۔ ہر تحریک اور جماعت کا دعویٰ ہے کہ اصل اور مکمل اسلامی انقلاب ہم ہی لائیں گے۔ زیر نظر مضمون میں ان تحریکوں اور جماعتوں کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

دور حاضر کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ بعض مسلمانوں کو ایمان اور اعمال صالحہ کا زیاں معمولی معلوم ہوتا ہے۔ عقائد، عبادات، اخلاق اور حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنتیں ان کے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اصل شئی حکومت الٰہیہ کا قیام ہے۔ کوئی اس کو اقامت دین سے تعبیر کرتا ہے کبھی کہتے ہیں چہرے نہیں نظام بدلو، ان سے جب بھی گفتگو کریں تو ان کا بڑا ہدف معیشت اور سیاست میں انقلاب ہوگا۔ ان کی نزدیک اصل چیز اور مقصد یہی ہے۔ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اول مدینہ منورہ میں ایک اسلامی اسٹیٹ قائم کی، لہذا یہ بڑا ارفع اور اعلیٰ مقصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی باتیں کرنے والوں میں ایمان واعمال کی کمزوری اور حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے عملی اعراض کسی نہ کسی درجے میں ضرور پایا جاتا ہے۔ حالانکہ آخرت کی نجات اور دنیاوی فلاح وترقی کا مدار ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون جابجا ملتا ہے۔ آخرت کا نجات تو یقینی ہے اس کا تو کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا، لیکن کم فہم یا بعض کج فہموں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ دنیاوی ترقی میں طاعت کا کیسے دخل ہے؟۔ مولانا اشرف علی تھانوی مسائل السلوک میں فرماتے ہیں۔ "ویقوم استغفروا ربکم الی قولہ تعالیٰ یذدکم قوۃ الی قوتکم فیہ دلیل علی ان للطاعۃ مدخل فی راحۃ الدنیا وطیب عیشھا وھومشاہد" (اس میں دلیل ہے کہ طاعات کو راحت دنیویہ اور خوش عیشی میں دخل ہے اور اس کا مشاہدہ ہورہا ہے۔ (بیان القرآن ج: ۵، ص ۵۰)

ارشاد باری ہے: "فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفاراً یرسل السمآء علیکم مدراراً

ویمددکم باموالٍ وبنین ویجعل لکم جنتٍ ویجعل لکم انھراً " (میں نے (ان سے یہ) کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بے شک وہ بخشنے والا ہے۔) (اگر تم ایمان لے آؤ گے تو علاوہ اخروی نعمت کے) کہ (مغفرت ہے دنیوی نعمتیں بھی تم کو عطا کرے گا چنانچہ) کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگادے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔ (نوح: ۱۲) ایک اور ارشاد خداوندی ہے: " ولوان اھل القری امنوا والتقوا لفتحنا علیھم برکٰت من السمآء والارض " (اگر ان بستیوں کے رہنے والے (پیغمبروں پر) ایمان لے آتے (اور ان کی مخالفت سے) پرہیز کرتے تو ہم (بجائے ارضی وسماوی آفات کے) ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے (یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے پیداوار ان کو برکت کے ساتھ عطا فرماتے (الاعراف: ۹۶) قرآن وحدیث کی بہت سی نصوص سے یہ مضمون معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے اللہ تعالیٰ دنیاوی نظام بھی درست فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وعداللہ الذین امنوا منکم وعملو الصالحات لیستخلفنھم فی الارض " (تم میں جولوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں (یعنی ہدایت کا کامل اتباع کریں) ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمادے گا۔ (النور: ۵۵) خلافت ارضی کے لئے وعدہ بھی ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے فرمایا۔ آج خلافت ارضی کا نعرہ لگانے والی تحریکوں پر نظر ڈالی جائے تو ایمان اور اعمال صالحہ کیلئے کوئی سعی تو درکنار خلافت ارضی کو مقصود بنادیا حالانکہ مقصود ایمان اور عمل صالح ہے اور خلافت ارضی مدعور ہے۔ اس کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ لہذا خلافت ارضی کو مقصود سمجھ کر اس کے لئے دن رات کوشاں رہنا شریعت کا منشا نہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چہرے نہیں نظام بدلو یہ بھی صحیح نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے ملک میں صرف چہرے بدلتے رہتے ہیں اور نظام کی تبدیلی کیلئے کسی قسم کی کوشش نہیں کی جاتی۔ سوال یہ ہے کہ ہم کن لوگوں سے نظام بدلنے کو کہہ رہے ہیں؟ ہمارے ملک میں تو ہمیشہ سے برسراقتدار وہ طبقہ رہا ہے جو قرآن وحدیث کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ نہ اسلام کو سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، نہ اس پر عمل کے خواہاں ہیں صرف برائے نام مسلمان ہیں۔ سوچ ساری اغیار کی ہے تعلیم اور بودباش ساری انگریزوں کی ہے ایسے لوگوں سے نظام بدلنے کی توقع رکھنا تو ایسا ہے جیسے کسی اناڑی اور بے وقوف سے کہا جائے کہ آپ ضرور ہوائی جہاز چلائیں گے۔ اس کا ایک طریقہ ہے کہ برسراقتدار طبقہ کو دیندار بنانے کی کوشش کی جائے۔ ان تک تبلیغ کی نیت سے پہنچنے کی کوشش انتہائی ضروری ہے۔ ہمارا جب کبھی

ذاتی کام اور معاملہ ہو تو ہزار جتن کرتے ہیں خود اگر ان احکام تک نہیں پہنچ سکتے تو واسطے تلاش کرتے ہیں لیکن اپنا مسئلہ ضرور بغیر حل کیے نہیں چھوڑتے ۔ علماء کرام کا اصل کام ہر میدان میں جائز وناجائز، حلال وحرام کے احکامات بتلانا ہے ۔ انتظامی امور میں عملاً ملوث ہونا ان کا میدان نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور حقیقی ورثاء کا کام حضورؐ کے مقاصد اربعہ کی تکمیل ہے ۔

ارشاد خداوندی ہے: " هوالذی بعث فی الامین رسول منهم یتلوا علیهم ایته ویذکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة " (وہی ہے جس (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان کی (قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ واخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی (کی باتیں جس میں سب علوم ضروریہ دینیہ آگئے) سکھلاتے ہیں ۔ (الجمعۃ: ۲)

(۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ نفس (۳) تعلیم کتاب (قرآن) تعلیم حکمت (دانشمندی) یعنی حدیث ۔

ہر مسلمان کا کام ہے کہ یہ چار مقاصد خود اس کے اندر اور تمام انسانیت میں آجائیں ۔ حکومت وسیاست بالذات مقصود نہیں ۔ بلکہ حکومت اگر مل جائے تو اس کو بھی ان مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا ہوگا ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک زبردست خونی انقلاب چاہئیے ۔ ان کا خیال ہے کہ اس طرح شریر اور بدطینت لوگ دب جائیں گے ۔ ظلم اور بربریت کی گھٹائیں چھٹ کر دینداری اور خوش عیشی کی شفاف فضاء قائم ہوجائے گی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا کرنے سے کچھ وقت کے لئے ماحول سدھر جائے گا لیکن پائیدار ستھرا ماحول پیدا نہیں ہوگا ۔

ضمیر کا انقلاب :- اصل انقلاب ضمیر کا انقلاب ہے ۔ انسان اندر سے خود بدل جائے لوگوں کو ڈرانے اور دھمکانے کیساتھ ان کے اندر عناد اور ڈھیٹ پن پیدا ہوجائے گا ۔ ان کو جب موقع ملے گا فوراً سر اٹھائیں گے ۔ ان کی مثال پھر ایسی بن جائے گی جیسے ایک آدمی پانی میں لکڑی ڈبوئے رکھے جونہی لکڑی سے ہاتھ ہٹایا لکڑی فوراً پانی سے باہر نکل آئی ۔ اگر بدباطن اور شریر لوگوں پر حکمت کیساتھ محنت کی گئی تو خود بخود اسلام کے ہر حکم کے ماننے کیلئے تیار ہوجائیں گے، صحابہ کرام کی انقلابی محنت ہمارے سامنے تاریخ کے صفحات میں موجود ہے ۔ بقول اکبر الہ آبادی:

خود جو راہ پر نہ تھے اوروں کے ہادی بن گئے

لیکن ہم خود نہیں بدلتے اوروں کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

مثال :- روزہ کی حقیقت اکل (کھانا) شرب (پینا) جماع (صحبت) سے مخصوص وقت میں پرہیز ہے ۔ طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک ۔ روزہ دار کے گھر میں بیوی سمیت کھانا پینا موجود ہے کوئی

رکاوٹ اور روکنے والا نہیں، کسی کو خبر بھی نہیں۔ حکومت کا کارندہ بھی اس کے پیچھے نہیں لگا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی فرشتہ بھی ایسا مقرر نہیں کیا کہ دیکھنا اگر کوئی روزے کی خلاف ورزی کرے تو فوراً اس کو تنبیہ کرو۔ باوجود اس مکمل آزادی کے روزہ دار طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے اجتناب کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر کونسی قوت ہے جس نے اس کو ان تین جائز اور حلال چیزوں سے روک رکھا ہے؟۔ حالانکہ انسانی طبیعت ان تین چیزوں کی خوگر ہے۔ دنیا کے اندر ساری تگ ودو انہی اشیاء کے لئے ہے۔ تمام جھگڑوں اور فساد کی جڑ بھی یہی ہیں۔ اس سوال کا جواب آسان ہے۔ اس روزہ دار میں اللہ کا خوف ہے اس کا ضمیر اس کو اندر سے ملامت کرتا ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہی روزہ دار دیگر معاملات میں اللہ کے خوف کو بھول جاتا ہے۔ اس کا ضمیر مردہ بن جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے ضمیر کو پیار و محبت و حکمت کیساتھ بدلنا چاہئیے مثلاً کسی میں کوئی برائی دیکھی تو تنہائی میں اس کو پیار و محبت سے سمجائیں تو وہ آپ کو اپنا خیرخواہ سمجھے گا۔اگر سب کے سامنے اس کو ٹارگٹ بناکر اس سے بات کی تو وہ اس کو اپنی رسوائی سمجھے گا اور آپ کا دشمن بن جائے گا۔ برائی نظر آئے تو حسب توفیق ہاتھ اور زبان سے اس کا تدارک ہر مسلمان کا فرض ہے لیکن حکمت و نصیحت کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا۔ ایسا نہیں کرنا چاہئیے کہ ایک فسادی کے فساد کو ختم کرنے کیساتھ مستقل فساد کا ایک سلسلہ شروع ہوجائے۔

اشکال:۔ ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ حدود اور تعزیرات زبردستی ہی تو ہے۔ حدود اور تعزیرات کا نظام زبردستی نہیں بلکہ چند شریر اور فسادی لوگوں کا علاج ہے جس پر مختلف ثمرات وفوائد مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً عبرت، امن اور اصلاح وغیرہ ان قوانین کو زبردستی نہیں کہہ سکتے۔ اگر ان قوانین کا مقصد زبردستی اور بزور لوگوں کی اصلاح ہوتا تو انسانوں میں اللہ نے خیر اور شر کی جو استعداد پیدا کی ہے اس کا امتحان کیسے لیا جاتا؟ ارشاد خداوندی ہے:

"فالھمھا فجورھا وتقواھا" پھر اسکی بدکرداری اور پرہیزگاری کا اس کو القا کیا۔ (والشمس ۸)
نیکی کی طرف رجحان اور بدی کی طرف میلان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کو نیکی اور بدی کمانے کا اختیار دیا ہے یعنی نیکی کرنے کی اختیار کے ساتھ اجازت ہے اور بدی سے اختیاری ممانعت ہے۔ اگر واقعی اسلام میں زبردستی ہوتی تو اس کا کوئی نظام ہوتا مثلاً کسی نے ادھر کوئی برائی کی ادھر فوراً کوئی سزا مل گئی، یا کسی فرشتہ کی یہ ڈیوٹی مقرر کردی جاتی کہ دیکھو کسی کو برائی کرتے ہوئے دیکھ لو تو فوراً اسکو ٹھکانے لگادو یا کم ازکم اسکو ایسا سبق سکھاؤ کہ دوبارہ بدی کے بارے میں اسکی سوچ ہی

باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اگر پورے کائنات کو پیدا کرسکتے ہیں تو اس دنیا سے شر اور فساد کو بھی ختم کرسکتے تھے۔ لیکن اپنی حکمت بالغہ کے تحت نیکی اور بدی کا نظام قائم کیا، ہمیں اختیار کیساتھ مکمل اسلامی قانون دیا۔ خیر اور شر کو واضح کیا۔ انبیاء کرام کی بعثت کیساتھ انسانوں کی ہدایت کا بندوبست کیا۔ جن جن گناہوں سے دنیا کا نظام خراب ہونے کا قوی اندیشہ تھا اس کیلئے دنیا میں سزائیں مقرر کیں تاکہ دنیاوی نظام صحیح رہے اور اسکے ساتھ ساتھ مکمل جزا و سزا کیلئے جنت اور دوزخ کو بنایا۔

انفرادی انقلاب:۔ تمام اسلامی اعمال انقلابی اعمال ہیں۔ لیکن ان اعمال پر ابھارنا ہر ایک کا فرض ہے۔ جسکی وجہ سے ایک فرد کی زندگی صحیح اسلامی خطوط پر آجائے گا۔ انفرادی طور پر لوگ بدلنے کی کوشش کریں اور اس کے ساتھ اوروں کو بدلنے کی سعی کریں تو اجتماعی انقلاب خود بخود آجائیگا۔ ہر طرف تمام امور میں خرابی دیکھ کر ہر انسان دوسرے کو ملامت کررہا ہے۔ ہر آدمی دوسرے کو ظالم سمجھ کر اس کے گلے پر انصاف کی چھری پھیرنا چاہتا ہے اور اپنے تئیں ایسی خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ دامن نچوڑیں تو فرشتے وضو کریں۔ اپنی خرابی کسی کو نظر ہی نہیں آتی۔ یہی سب سے بڑی خرابی ہے۔

حقیقی دشمن:۔ اس انفرادی انقلاب کو برپا کرنے کیلئے حقیقی دشمن کو جان کر اس کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ ہمارے دو حقیقی دشمن ہیں۔ (۱) نفس (۲) شیطان

ارشاد باری ہے: " ان النفس لامارۃ بالسوء " نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے۔ (یوسف ۵۳)

ارشاد ہے " ان الشیطن لکم عدو فاتخذوہ عدوا " یہ شیطان بے شک تمھارا دشمن ہے سو تم اس کو دشمن سمجھتے رہو۔ (فاطر ۶) اجتماعی انقلاب کی بنیاد ہی ان دونوں کی دشمنی ہے۔ آج کا مسلمان تمام امور میں انقلاب تو چاہتا ہے لیکن ان دونوں کیساتھ دشمن کیلئے تیار نہیں ہوتا، ان دونوں کیساتھ دشمنی بڑی سخت ہے۔ ان کی چالیں انتہائی باریک اور مہلک ہیں۔ یورپ ساری دنیا کی فتح کے درپے ہے لیکن نفس اور شیطان سے ایسا مغلوب ہے کہ ہر طرف یورپ میں ان دونوں کا راج ہے۔

تبلیغی جماعت:۔ نفس اور شیطان کے خلاف جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ سے لوٹتے ہوئے فرمایا کہ ہم جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ یعنی جہاد بالنفس، یہ ساری زندگی کا جہاد ہے کسی وقت ان دونوں سے کوئی غافل نہیں ہوسکتا۔ اس کے مقابلہ میں کفار ہمارے حقیقی دشمن نہیں بلکہ عارضی دشمن ہیں، اگر کفار ایمان لے آئیں تو ہمارے

اسلامی بھائی بن جائیں گے ۔ لیکن نفس اور شیطان کبھی بھی نیک نہیں بن سکتے ۔ تمام امور کے اندر مکمل اسلامی انقلاب لانے کیلئے اول ان دونوں کے خلاف زبردست جہاد کرنا ہوگا ۔ دنیا میں انقلاب کی خواہش مند بہت سی تحریکیں اور جماعتیں ہیں ۔ ہر دور میں اہل حق نے مختلف طریقوں سے اسلام کی سربلندی کیلئے مبارک کوششیں اجتماعی اور انفرادی طور پر کی ہیں ۔ اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ طبعی طور پر یہ جماعتیں اور تحریکیں خود بخود تحلیل ہوگئیں ۔ خلق خدا کو فائدہ بھی پہنچایا اور اپنی نیک نیتی کی بنا پر ڈھیروں ثواب کماکر عالم جاودانی کی طرف سدھار گئیں ۔ اس دور میں عالمی سطح پر صحیح اسلامی اور کامیاب تحریک تبلیغی جماعت ہے ۔ اس جماعت کو علماء حق کی مکمل اور بھرپور حمایت وتائید حاصل ہے ۔ ان کا طریقہ کار اور محنت صحابہ کرامؓ کی مبارک کوششوں کے ساتھ بہت میل کھاتی ہے ، جس طرح صحابہ کرامؓ کی محنت کی وجہ سے اسلام عالمی مذہب ہے اسی طرح اس جماعت کی مبارک محنت کیساتھ اسلام عالمی سطح پر پوری دنیا میں زندہ ہورہا ہے ۔ یہ ایک ایسا خاموش انقلاب ہے کہ اغیار اسکو بہت جلد محسوس بھی نہیں کرسکتے ۔ ان کے طریقہ کار میں اول خود بگڑے ہوئے مسلمان کی اصلاح ہے ۔ انکی قولی تبلیغ کیساتھ قال کا مسلمان حال کا مسلمان بن جاتا ہے ۔ زبان کیساتھ کسی کو سمجھایا تو وہ عمل کرکے عملی اسلام کا نمونہ پیش کرے گا ۔ قال کا مسلمان جب حال کا مسلمان بن جائے تو اسکا ہر قول وفعل بذات خود اسلام کی طرف داعی بن کر لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچے گا ۔ حال کے اس مسلمان کو پتہ بھی نہیں ہوگا اور اس کے کردار ، اخلاق ، صورت ، سیرت ، معاملات وغیرہ کی وجہ سے لوگوں کے لئے اسلام میں کشش اور دلچسپی پیدا ہوتی چلی جائے گی ۔ اس وقت مسلمان خود اسلام کے راستے میں رکاوٹ ہے ۔ بہت کم مسلمان اس بات کو محسوس کررہے ہوں گے ، کم فہم مسلمان کا یہ خیال کہ اگر عمل نہیں کرتا تو میرا ذاتی معاملہ ہے کسی کو کیا نقصان دے رہا ہوں ۔ لیکن حقیقت میں بے عمل مسلمان اسلام کو نقصان پہنچا رہا ہے تو تبلیغی جماعت کی ساری محنت اسی لیے ہے کہ لوگ صحیح مسلمان بن جائیں ۔ ملک ومال ان کی غرض نہیں ۔ یہ وجہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر ، انجینئر ، استاد ، سائنسدان ، عالم ، طالب علم ، لوہار ، بڑھی ، وکیل ، فوجی ، سپاہی ، زمیندار ، تاجر وغیرہ شامل ہیں ۔ ہر طبقہ کے لوگ آپ کو اس جماعت میں ملیں گے ۔ ایسے ایسے مقامات میں دعوت وتبلیغ کا کام کررہے ہیں جہاں تک رسائی بڑی مشکل ہوتی ہے ۔ دھیرے دھیرے عالمی سطح پر بہت بڑی جماعت بن گئی ۔ فضائل کے ذریعہ لوگوں کو عقائد اور اعمال کی طرف لے آئے ۔ اپنے اصول کے مطابق کام کرتے ہیں ، ان اصول کی بنیاد حکمت ہے اور حکمت دعوت وتبلیغ میں ریڑھ کی ہڈی ہے ان شاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ دنیا بھر میں اس جماعت کی

وجہ سے اسلام کا بول بالا ہوگا ۔ بعض لوگوں کو اشکال ہے کہ تبلیغی جماعت کافی عرصہ سے کام کررہی ہے لیکن ابھی تک کوئی خاص نتیجہ سامنے نہیں آیا ۔ ایسی باتیں کرنے والوں کا خیال ہے کہ شاید ہر جماعت اور تحریک کا مقصد حصول اقتدار اور غلبہ ہے ، حالانکہ اصل مقصد حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد اربعہ مذکورہ کو زندہ کرنا ہے ۔ ان مقاصد کیلئے محنت کرتے رہنا اور ان کےلئے مرنا اصل کام ہے ۔ حکومت واقتدار ملے یا نہ ملے اسلام کی بنیاد تو پانچ چیزیں ہیں ۔ (۱) کلمہ (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوۃ (۵) حج ۔ ان میں کسی ایک کا انکار کفر ہے ۔ اسلام کی اس بنیاد میں اقتدار وحکومت شامل نہیں ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی حکومت نہیں ہونا چاہئیے ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کا مقصد حصول اقتدار نہیں بلکہ اگر حکومت مل جائے تو اس کو بھی غلبہ اسلام کیلئے استعمال کرنا ہوگا ۔ جس طرح دیگر طریقوں سے اسلام کو ساری دنیا میں غالب رکھنے کی کوشش ضروری ہے اسی طرح کسی کے پاس اقتدار ہو تو اس کو اسلام کے غلبہ کیلئے ایک مؤثر آلہ سمجھنا چاہئے ۔ اسلام کو غالب رکھنا ہی اصل انقلاب ہے ۔ اس مقصد کے حصول میں سرتوڑ کوشش ہر مسلمان کا فریضہ ہے ۔ اکثر لوگ بڑے جلدباز ہوتے ہیں ۔ جلدی میں ایک جماعت بناکر فوری اور مکمل اسلامی انقلاب کا ثمربار درخت دیکھنا چاہتے ہیں ، اور اکثروں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہمارا نام ہو اور اس انقلاب کی نسبت ہماری طرف ہو اور تاریخ میں سنہرے الفاظ سے ہمارا ذکر خیر محفوظ ہوجائے تاکہ قیامت تک ہمارا نام زندہ رہے اور ہر محفل میں ہمارے تذکرے ہوتے رہیں ۔ یہ بیماری عوام وخواص میں پھیل رہی ہے ۔ نئی جماعت بناکر جلسہ کریں گے ۔ ٹی وی اور اخبارات میں اشتہار دیں گے کہ آپکی خوش قسمتی ہے ایک نئی انقلابی جماعت بن گئی اور وہ دن دور نہیں کہ آپ کو ایک مکمل صحیح انقلاب کی نوید سنائیں ۔ جلسے کے اختتام پر اجتماعی دعا ہوتی ہے کہ اللہ سے دعا مانگیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کی توفیق عطا فرمائے ۔ حالانکہ اس کو سوچنا چاہئے کہ اس کی نئی جماعت مسلمانوں کی اتحاد کی زنجیر کی وہ نکلی ہوئی کڑی ہے جس کا اب سے تھوڑی دیر پہلے اس نے اعلان کیا تھا اسکے اس اختلاف کے بعد صرف دعا سے اتفاق کیسے آئے گا ۔ فی الحال تو اس نئی جماعت کے بانی نے خود مسلمانوں کے سواداعظم کو چھوڑنے کا اعلان کرن کردیا۔ آئے روز نئی نئی جماعت بنتی ہے نئی جماعت بنی تو گویا ایک اور کڑی جدا ہوگئی ۔ اتفاق کا نعرہ لگانے والی ان نئی بننے والی جماعتوں نے ہی مسلمانوں کی عظیم جماعت اور اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اسلام ہمارے نام سے زندہ ہے ۔ ہرایک نئی دکان سجاکر سب کو دعوت دیتا ہے کہ آؤ میری دکان کو ترقی دو ، اپنی دکانیں بند کردو ، اسلام نہیں اپنے نام کو زندہ کررہے ہیں ۔

ہمارے اسلاف تو نام کیا خود کو مٹاکر اسلام کو زندہ کرتے تھے ۔ آج سوچ الٹی ہے اسلام زندہ رہے یا نہ رہے لیکن کم ازکم میرا نام تاریخ کے صفحات میں زندہ رہے ۔ بہت افسوس ہے ۔کفر تو ایک ملت ہے لیکن اسلامی انقلاب کے داعی اور علمبردار ایک نہیں ہوتے ۔کفار کا ایک مشن ہوتا ہے اس پر صدیاں بیت جاتی ہیں ۔ مشن شروع کرنے والے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں لیکن مشن برابر جاری رہتا ہے ۔ انگریز ۱۶۰۱ء برصغیر کے اندر داخل ہوا ۔ نیت یہ تھی کہ سونے کی چڑیا ہندوستان پر قابض ہوجاؤں ۔ ۱۸۵۷ء میں براہ راست ہندوستان کا اقتدار تاج برطانیہ کے ساتھ جوڑ دیا گیا ۔کیا ۱۶۰۱ء کا انگریز ۱۸۵۷ء میں موجود تھا ۔ اگر وہ انگریز یہ سوچتے کہ یہ اقتدار ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو ان کا یہ خواب کبھی بھی پورا نہ ہوتا ، لیکن ان لوگوں نے اس کی پرواہ نہ کی ، اور مشن کو جاری رکھا ، کتنی نسلوں نے اس مشن کو چلایا ۔ ایک وقت آیا کہ مشن میں کامیاب ہوگئے اور ایک صدی تک حکومت بھی کرگئے ۔ خود چلے گئے اور کالا انگریز چھوڑ گئے ۔ جو ابھی تک ان کے مشن کو چلا رہے ہیں ۔ خدا نہ کرے کہ یہ اقتدار دوبارہ گورے انگریز کے پاس چلا جائے ۔ ہمارے جلد باز مسلمان بھائیوں کو فوری نتیجے کا انتظار رہتا ہے ۔ پروفیسر طاہرالقادری صاحب کی ایک تقریر ریڈیو کیسٹ کے ذریعے سنی تھی ۔ جس میں اپنی عمر ترسٹھ سال بتائی ہے اور اپنے مشن کی تکمیل کا لوگوں سے فوری مطالبہ تھا ، کہ مشن کی تکمیل کے بعد کچھ وقت اپنی ذات کے لیے بھی دینا ہے ۔ جب بھی نئی جماعت بنتی ہے ۔ بڑا افسوس ہوتا ہے اگرچہ خالص سیاسی جماعت کیوں نہ ہو ۔ مذہبی نہ ہو ۔ نئی سیاسی جماعت کے بننے سے مسلمانوں میں تفریق آتی ہے اور نئی مذہبی جماعت کے بننے سے مسلمانوں اور اسلام دونوں میں تفریق آجاتی ہے اور بانی جماعت سمجھتا ہے کہ شاید اسلام کی اور مسلمانوں کی کوئی بڑی خدمت کا اللہ تعالیٰ نے موقع دے دیا ۔ ہمارے ملک میں اکثر نئی بننے والی مذھبی جماعتوں کی ٹانٹ سیاست پر جاٹوٹتی ہے ۔ اور سیاست بھی مغربی ۔ ساری دنیا پر یہ بات واضح کردیتے ہیں کہ پاکستان میں لوگ اسلام پسند نہیں اور مذہبی جماعت نہیں چل سکتی ، حالانکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ ریل گاڑی ہوا میں نہیں اڑسکتی پٹڑی کے اوپر چلے گی ۔ اسلامی ملک اور مسلمانوں میں مغربی سیاست کی گاڑی کیسے چل سکتی ہے ؟ مغربی سیاست کا نام اسلامی سیاست رکھ دیا ۔ مسلمانوں کی تو اپنی اسلامی سیاست موجود ہے جس کی بنیاد عقائد اور اعمال درست کرنا ہے ۔ یہ ٹھیک ہے کہ آجکل اپنے ملک میں کوئی کافر نہیں پس صرف اسلامی طرز حکومت کی بنیاد ڈالنا ہے ۔ لیکن جو لوگ عملی لحاظ سے اسلام کو سلام کر بیٹھے ہیں اول تو ان کو اسلام کی طرف راغب کرنا اور اسلام پر لاکھڑا کرنا ہے کیونکہ اسلامی نظام یہی لوگ تھامیں گے اور چلائیں گے ۔ اگر چلانے والے

صحیح نہیں تو ان کو اچھے سے اچھا نظام دیا جائے اس کو فیل کردیں گے ۔ اس وقت بھی تقریبا ہر قول اور فعل کے لئے ملک میں قانون موجود ہے لیکن ان قوانین کو چلانے والے سست اور غافل ہیں جس کی وجہ سے ملک میں افراتفری ہے ۔ قتل وغارت ، چوری ، رشوت ، ملاوٹ ، گینگ ریپ وغیرہ عام ہیں ۔ یوں لگتا ہے ملک میں کوئی قانون ہی نہیں ۔ عدالت ہے اور عدل ندادر ، اس لئے کہ قوانین نافذ کرنے والے ادارے کوئی دلچسپی نہیں لے رہے ۔ اب اس موجودہ صاحبان اختیار ڈھانچے کو اسلامی نظام دیا جائے کہ اس کو چلاؤ تو اسلامی نظام وقانون کا بھی وہی حشر ہوگا جو موجودہ قانون کا ہے ۔ باہر دنیا کو یہ باور کرائیں گے کہ پاکستان میں اسلامی نظام اور قانون چل نہیں سکتا ، حالانکہ اس کو فیل کرنے کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ اسلئے اسلامی نظام کیساتھ اصلاحی نظام انتہائی ضروری ہے بلکہ اسلامی نظام کی بنیاد اصلاحی نظام ہے۔ اس اصلاحی نظام کیلئے اس وقت تین ادارے کام کررہے ہیں ۔

(۱) نظام مدارس :- ان میں دن رات قرآن وحدیث کی خدمت کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے علماء پیدا ہورہے ہیں جن کی وجہ سے دنیا میں انقلاب آتا ہے ۔ یہ علمی خدمت ہے ، اگرچہ عملی تربیت بھی ہوتی ہے ۔ لیکن بنیادی طور پر علمی ادارے ہیں ۔ اگر علم کی خدمت نہ ہوا تو خدانخواستہ قرآن وحدیث کے علوم ختم ہوجائیں گے ۔

(۲) تبلیغی جماعت :- یہ لوگوں کے عقائد اور اعمال کی نگرانی کرتے ہیں جو اسلام کا اصل منشاء ہے اور یہ اسلام کی بہت بڑی خدمت ہے ۔ اس جماعت کی مبارک کوششوں کیساتھ اسلام عملی طور پر دنیا میں زندہ ہورہا ہے ۔

(۳) خانقاہی نظام :- ان کا کام تزکیہ نفس ہے ۔ روحانی بیماریاں مثلاً حسد ، کینہ ، بغض ، ریا ، تکبر ، غرور ، خود پسندی وغیرہ کا علاج کرتے ہیں ۔ بدقسمتی سے مبارک کام محض گدی نشینوں تک رہ گیا ۔ جاھل اور نااہل پیر اور نام نہاد صوفیاء سامنے آگئے ۔ جسکی وجہ سے پیر دنیا پرست بن گئے اور مرید پیر پرست بن گئے ۔ حالانکہ صحیح مرشد کا کام مرید کی اصلاح اور اسکو آخرت کا راستہ دکھلانا تھا ۔ لیکن نام نہاد جعلی پیروں نے مریدوں کو صرف اپنی جیب کا راستہ دکھایا ۔ الحمدللہ صحیح صوفیاء آج بھی موجود ہیں ، ان سے بیعت کا تعلق اس گئے گزرے دور میں ضروری ہے ۔ مدرسہ عالم تیار کرتا ہے ، تبلیغی جماعت عامل بناتا ہے اور خانقاہ ان دونوں کو جمع کر عالم باعمل دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے جو مخلص بھی ہوتے ہیں ۔ یہ تین ادارے انقلاب کے زبردست داعی ہیں ۔ اس کے بعد دوسرا قدم سیاسی اور معاشی انقلاب ہوگا ۔ اس انقلاب کو کامیاب بنانے کیلئے کبھی جہاد کا مرحلہ آئیگا تو ان تینوں

اداروں کا فیض یافتہ ہر وقت اسلام کی خاطر سر کٹانے کو تیار ہوگا ۔ ورنہ صرف جہاد کی کانفرنس ، جہادی جلسے جلوس ، اخباری بیانات اور اچھے اچھے کھانے پینے ، بڑے ائرکنڈیشنڈ ہوٹلوں میں ہونگے ۔ ایسے لوگوں کے لیے سنسناتی ہوئی جہادی گولی کے سامنے ٹھہرنا بڑا مشکل کام ہوتا ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہی لوگ مجاہد اعظم ، جہاد کشمیر کے ہیرو اور فاتح جہاد افغانستان میں بھی بن جاتے ہیں ۔ ان میں سے بعض کو تو میدان کارزار کا طوفانی دورہ بھی نصیب نہیں ہوا ہوتا ۔

لائحہ عمل :- اگر واقعی مسلمان اور تمام مذہبی جماعتیں ساری دنیا میں صحیح اسلامی انقلاب کی علمبردار ہیں تو اپنی اپنی پارٹیوں کو اور مغربی سیاست کو چھوڑ کر اول مدارس ، تبلیغ ، تزکیہ نفس اور جہاد کی طرف بھرپور توجہ دیں ۔ خود بخود جماعت بھی بن جائے گی اور آئندہ اسلامی ترقی کی شاہراہ پر مسلمانوں کے اس عظیم جماعت کا سفر شروع ہوجائے گا ۔ اس مخلص قافلہ کو اسی قافلہ سے امیر اور راہبر مل جائے گا ، لیکن اخلاص شرط ہے ۔ اس طرز انقلاب کا خلاصہ یہ ہے کہ اول مسلمان خود کو بدلنے یعنی اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں اس کے بعد خود بخود ہر شعبہ زندگی اور ایمان و عمل میں انقلاب آئے گا ۔ اگر خود بدلنے کی کوشش نہیں کرتے اور نظام کو بدلنے کے درپے ہیں تو پھر اسلامی انقلاب کے خواب دیکھنا چھوڑ دیں ۔ اس کے بارے میں صرف اتنا کہا جاسکتا ہے ۔ دل کے خوش رکھنے کو یہ خیال اچھا ہے تبلیغی جماعت وہ واحد جماعت ہے جو خود کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ان شاء اللہ ایک وقت آئیگا کہ پوری دنیا میں اس جماعت کی وجہ سے مکمل اور صحیح اسلامی انقلاب برپا ہوگا ۔

قومی خدمت ایک عبادت ہے
اور
سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے
سال ھا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے
Servis
قدم قدم حسین قدم قدم آرام

افکار و تاثرات

قارئین بنام مدیر

الحق کا خصوصی نمبر ـ قابل تحسین کوشش

پاکستان کی "گولڈن جوبلی" کے موقع پر بڑی محنت، لگن، جدوجہد، انتہائی خلوص، قومی، ملکی، ملی ہمدردی اور مخلصانہ جذبات کے ساتھ "الحق" کا خصوصی شمارہ شائع کرنے پر بندہ کیطرف سے "ارباب الحق" کو لاکھوں دلی مبارک بادیں قبول ہوں۔ "الحق" کا یہ خصوصی شمارہ اپنے معمول کے شماروں کے لحاظ سے ہی خصوصی نہیں بلکہ "جوبلی" کے موقع پر ملک میں شائع ہونے والے تمام خصوصی شماروں کے اعتبار سے بھی خصوصی ہے۔ آپ نے "الحق" کا خاص نمبر شائع کر کے جہاں تشنگان علم پر یقیناً ایک بہت بڑا احسان کیا وہیں پاکستانی عوام کی صحیح اور حقیقی راہنمائی بھی فرمائی۔ اور قوم کو قیام پاکستان کے پس منظر، پیش منظر، طے منظر سے آگاہ کیا۔ وطن عزیز کے قیام کیلئے علماء حق علماء دیوبند کی پرخلوص قربانیوں سے پردہ اٹھاکر ان زبانوں پر تالے لگادیے ہیں علماء حق پر "مخالفت پاکستان" جیسے الزام تراشتی رہتی ہیں۔ خصوصی شمارہ گویا ظلمت کدہ میں حق کی شمع فروزاں ہے۔ جوبلی کے نام پر بے سود، بےوقت، بےہنگام ہنگامہ آرائی اور شوروغوغا میں دعوت فکر اور مستقبل میں صحیح راہ اپنانے کا پیام ہے۔ موسم خزاں میں امید فصل بہار، نظریہ پاکستان فراموش کرنے والوں کیلئے یاددہانی ہر لائبریری کی زینت، مختلف عنوانوں کے پھولوں سے سجاہوا گلدستہ، جس کا ایک ایک حرف اور لفظ باطل کی دنیا پر برق ورعد بن کر گرنے والا، نفاق کے پردے تارتار کرنے والا، قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والا اور ایک ایسی تاریخی دستاویز کہ تاریخ کا دامن جسے یقیناً محفوظ کرے گا۔ طالبان علم اور تاریخی حقائق وواقعات کی جستجو کرنے والوں کیلئے اہم ترین ضرورت اور ایسی ضرورت کہ بوقت ضرورت طالب علم کو اس کا بالضرور مطالعہ کرنا پڑے گا۔ منتظمین "الحق" نے خصوصی شمارہ شائع کر کے "الحق" کے نام کی لاج رکھتے ہوئے اس کا حق ادا کردیا۔ اب ہر علم دوست یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ واقعتاً "الحق" اسم بامسمیٰ ہے۔ دعاہے کہ خلاق عالم اسے شرف قبولیت بخشے۔ (آمین)

محمد اسداللہ ڈجکوٹی ـ جامعہ مدینۃ العلم، فیصل آباد

تبصرہ کتب

حافظ عرفان الحق حقانی

نام کتاب: درس مسلم افادات: حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب

ناشر: مکتبہ نعمانیہ کراچی صفحات: ۱۷۹ ((قیمت درج نہیں))

الجامع الصحیح للامام ابی الحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم صحاح ستۃ میں صحت، عظمت وشرافت اور مقبولیت کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے تو اس کو بخاری شریف سے بھی اصح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیخ ابوعلی نیشاپوری قدس سرہ کا یہ قول نقل کیا ہے (ماتحت ادیم السماء کتاب اصح من کتاب مسلم) لیکن حقیقت یہی ہے کہ بخاری شریف صحت کے اعتبار مسلم شریف سے بڑھکر ہے اور قول مذکور (ابوعلی نیشاپوریؒ) محمول ہے۔ مسلم شریف کے حسن ترتیب احتیاط فی الفاظ الاسناد وغیرھم پر۔ ان اشعار میں اسکی طرف اشارہ ہے:

تنازع قوم فی البخاری و مسلم لدی فقالوا ای ذین یقدم

فقلت لقد فاق البخاری فی صحۃ کمافاق فی حسن الصناعۃ مسلم

مسلم شریف کی ایک خصوصیت مصنف کی طرف سے شروع کتاب میں علوم حدیث پر جامع اور پرمغز مقدمہ لگانا ہے۔ یہ مقدمہ فہم علم حدیث اور مطالعہ مسلم شریف کےلئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اردو زبان میں دورہ حدیث کے طلباء کی آسانی کے خاطر ارباب مکتبہ نعمانیہ نے حدیث، مقدمہ مسلم اور کتاب الایمان کے اہم مباحث پر مشتمل "درس مسلم" (افادات حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب) کی شکل میں چھپوایا ہے۔ دورہ حدیث شریف کے طلباء کےلئے مبادی حدیث سے واقفیت لازمی ہے۔ مدارس دینیہ میں صحاح ستہ پڑھانے سے قبل مبادی حدیث پر ہفتوں بحث کی جاتی ہیں۔ ان مباحث کےلئے یہ کتاب انتہائی مفید ہے۔ مذکورہ کتاب میں حدیث کے ابتدائی مباحث انتہائی دلکش انداز سے جمع کیے گئے ہیں۔ تعریفات حدیث وشرافت حدیث واضح کرنے کے بعد حجیت حدیث کو ثابت کرنے کےلئے منکرین حدیث کا بیان کیا کہ جن بدبختو نے مغربیت سے مرعوب ہوکر انکار حدیث کا فتنہ برصغیر میں برپا کیا۔ منکرین حدیث کے نظریات ثلاثہ ذکر کرنے کے بعد ان پر مفصلاً رد کرکے ان کے نظریات کو باطل قراردیا گیا ہے۔ تدوین حدیث میں کتابت حدیث وغیرھم اور انواع مصنفات علم حدیث پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ امام مسلمؒ کے حالات ذکر کرنے کے بعد مقدمہ مسلم کے اہم بحث حدیث المعنعن کے اتصال وانقطاع میں

شروع کیا گیا ہے ۔ یہی وہ مسئلہ ہے جو کہ مقدمہ مسلم میں معرکۃ الآراء مسئلہ جانا جاتا ہے ۔ اکثر امتحانی پرچے میں یہی سوال آتا ہے ۔ اس بحث کا حاصل یہی ہے کہ (۱) ان الحدیث المعنعن یحکم باتصالہ وصحتہ عندا مکان اللقاء والسماع عند مسلم " یعنی اذاکان الراوی غیر مدلس ولابد من ثبوت اللقاء والسماع فی الجملہ عند ابن المدینی والبخاری ۔ ہمارے شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد فرید مدظلہ العالیٰ نے فتح المنعم شرح مقدمہ صحیح مسلم میں یہ قید بھی لگائی ہے " الامن البخاری لایشترط ذلک فی اصل الصحۃ بل التزامہ فی جامعہ " اس قید کے اعتبار سے اس اشکال سے بھی جان چھوٹ جاتی ہے کہ امام بخاریؒ تو امام مسلمؒ کے شیخ تھے پھر کسطرح انہوں نے اپنے استاذ پر انتہائی شدید رد کیا ہے بصورت قید مذکورہ امام بخاری نے اپنے کتاب میں حدیث لانے کیلئے شرط لگائی ہوگی نہ کہ صحت حدیث کےلئے (اس صورت میں صاحب مسلم کی طرف سے رد امام بخاریؒ پر نہ ہوگا) بہرحال درس مسلم میں مقدمہ مسلم کے مسائل مہمہ کا ملخص ذکر کیا گیا ہے ۔ مقدمہ مسلم پر بیان کے بعد صحیح مسلم کے کتاب الایمان کے اہم مباحث کو پانچ بحثوں میں تقسیم کروایا گیا ہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل یاد

اس وقت دنیا کے مسلمان عید میلادالنبیؐ منا رہے ہیں ، اگر حضور اکرمؐ کے بعد کسی بھی نبوت و رسالت کا کوئی بھی واضح یا مبہم دعویٰ تسلیم کرنے کیلئے ہم قطعاً تیار نہیں ہیں ، جیسا کہ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے تو اسی طرح ہم خود بخود قیامت تک حضورؐ کی تعلیمات مقدسہ اور سیرت مطہرہ کی اہمیت اور ضرورت پر بھی مہر لگالیتے ہیں ۔ حضورؐ کے بعد ہر مدعی نبوت کذاب اور دجال ہے تو اس سے یہ لازم ہوجاتا ہے کہ آج کی پر ظلمت دنیا کی روشنی اور ہدایت بھی حضوراقدسؐ کے قول و عمل اور اخلاق و کردار سے ہی ہوسکتی ہے ، جسے ہم سیرت کا نام دیتے ہیں ۔ مگر کیا یہ حق صرف دوچار دن کے جلسے جلوسوں ، چراغاں اور آرائشی دروازوں سے ادا ہوجاتا ہے ، افسوس کہ عمل اور کردار سے عاری قوموں کی طرح مسلمان بھی صرف ان ظاہری اور رسمی رسومات میں اپنے لئے سامان تسکین ڈھونڈ رہے ہیں ۔ حضورؐ کی اصل یاد تو یہی تھی کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ ہر عمل اور ہر سانس سیرت کا عملی نمونہ بن جاتا ۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہزار بار ہم اپنی آبادیوں کی ہر اینٹ کو چراغاں سے روشن کیوں نہ کردیں ہمارے قلوب سیاہ اور عمل و کردار کی دنیا اجڑی رہے گی ۔ (اقتباس " اسلام اور عصر حاضر " حضرت مولانا سمیع الحق صاحب)

The First Name in Bicycles, brings ANOTHER FIRST

SOHRAB VIP SPORTS

Sohrab, the leading national bicycle makers now introduce the last word in style, in elegance, in comfort... absolutely the last word in bicycles.

PAKISTAN CYCLE INDUSTRIAL COOPERATIVE SOCIETY LIMITED

National House, 47 Shahrah-e-Quaid-e-Azam, Lahore, Pakistan.
Tel: 7321026-8 (3 lines). Telex: 44742 CYCLE PK. Fax: 7236143. Cable: BIKE

Regd.No.P - 90 *Monthly* "AL-HAQ" *Akora Khattak*

Adarts-HRA-11/96